بحمد اللہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس و تقاریر پر مشتمل تیسری CD بعنوان

اسلام اور خواتین

تیار کرلی گئی ہے جس میں اہم معاشرتی موضوعات کے بارے میں

قرآن و سنت کی راہنمائی پر 15 تقاریر شامل ہیں

(١) خواتین اور سماجی رسومات

(٢) خواتین کی دینی ذمہ داریاں

(٣) شادی بیاہ کی رسومات

(٤) اسلام میں عورت کا مقام

(٥) مثالی مسلمان خاتون

(٦) جہاد میں خواتین کا کردار

(٧) اسلام میں شرائط حجاب کے احکام

(٨) قرآن اور پردہ

وغیرہ جیسے پندرہ موضوعات شامل ہیں۔

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور (فون : 03-5869501، فیکس : 587400

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ
خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماھنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے ایم فل پی ایچ ڈی

نائب مدیر: حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

معاون: حافظ خالد محمود خضر ایم ایس سی

جلد ۲۰ | جمادی الاخریٰ ۱۴۲۲ھ — ستمبر ۲۰۰۱ء | شمارہ ۹

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

۳۶۔کے۔ماڈل ٹاؤن۔لاھور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شاداب بیکری، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۳۵۸۹

سالانہ زرِتعاون: 100 روپے فی شمارہ: 10 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

''اسلام کی نشأۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' نامی کتابچہ مرکزی انجمن کے صدر مؤسس' محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے تحریر کردہ اہم ترین مقالات میں سے ایک ہے۔ احیاءِ اسلام کے تقاضوں کے حوالے سے اسے محترم ڈاکٹر صاحب کے فکر کا نچوڑ کہنا غلط نہ ہوگا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ جامعیت اور اختصار کا کچھ ایسا مرقع ہے کہ اس کی تشریح وتوضیح کا حق ادا کرنے کے لئے شاید سینکڑوں صفحات درکار ہوں۔

حال ہی میں محترم ڈاکٹر صاحب نے بعض احباب کے اصرار پر اس کتابچے کے مضامین کی وضاحت پر مشتمل تین لیکچرز کا پروگرام ترتیب دیا۔ ۷ تا ۹ / اگست' روزانہ بعد نماز مغرب قرآن آڈیٹوریم لاہور میں دو' دو گھنٹے کے لیکچرز ہوئے جن میں رفقاء و احباب کی ایک اچھی خاصی تعداد نے شرکت کی۔ ان لیکچرز کی ویڈیو ریکارڈنگ کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا تھا۔ قبل ازیں' آج سے قریباً دس سال قبل بھی محترم ڈاکٹر صاحب نے ایک مطالعاتی پروگرام میں اس کتابچے کی مفصل وضاحت فرمائی تھی جو تین تین گھنٹہ دورانئے کے ۳ ویڈیو کیسٹس میں بمشکل سما سکی تھی۔ لیکن وہ ریکارڈنگ چونکہ خاصی غیر معیاری تھی اور یوں بھی مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کے ماسٹر کیسٹ بھی بتدریج زوال پذیر ہوتے چلے گئے لہٰذا ان لیکچرز کی دوبارہ ریکارڈنگ ناگزیر ہو چکی تھی۔

بحمد اللہ' اس اہم کتابچے کے حوالے سے احباب کا ایک دیرینہ مطالبہ پورا ہوا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے یہ توضیحی لیکچرز آڈیو اور ویڈیو دونوں صورتوں میں مکتبہ انجمن سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے پیش نظر فکر قرآنی کے حوالے سے جو اعلیٰ علمی و تحقیقی کام ہے اس کی فکری اساس کی حیثیت اسی کتابچے کو حاصل ہے۔ چنانچہ مرکزی انجمن کے اس سارے کام کی پشت پر کارفرما فلسفہ و فکر کو جاننے کے لئے جہاں اس کتابچے کا مطالعہ بہت ضروری ہے' وہاں اسے تفصیل سے سمجھنے کے لئے مذکورہ بالا لیکچرز کے آڈیو/ویڈیو کیسٹ سے استفادہ بھی ناگزیر ہے۔ ○○

درس ۱۹

اِعراض عنِ الجہاد کی پاداش

نفاق

سورۃ المنافقون کی روشنی میں

(۳)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۞ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ کَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَکُوْنَ ۞ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ ۞ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ

اَلْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَا اَخَّرْتَنِيْ اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ لا فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ط وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞﴾

یہ سورۃ المنافقون ہے‘ جو اٹھائیسویں پارے میں سورۃ الجمعہ کے بعد اور سورۃ التغابن سے قبل وارد ہوئی ہے۔ دو رکوعوں پر مشتمل اس سورۃ کی کل گیارہ آیات ہیں۔اس کا ایک رواں اور بامحاورہ ترجمہ یوں ہوگا:

”اے نبیؐ! جب یہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں اس پر کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں‘ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے‘ پس وہ اللہ کے راستے سے رُک گئے ہیں‘ یقیناً بہت برا ہے وہ طرزِ عمل جو انہوں نے اختیار کیا۔ یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے‘ پھر انہوں نے کفر کیا‘ تو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی‘ تو اب وہ تفقہ سے عاری ہو چکے ہیں۔ اور جب آپ انہیں دیکھتے ہیں تو ان کی جسامت اور ان کی تنومندی سے آپ متاثر ہوتے ہیں‘ اور اگر وہ بات کرتے ہیں تو آپ ان کی بات توجہ سے سنتے ہیں۔ ان کی مثال ان سوکھی لکڑیوں کی سی ہے جنہیں سہارے سے کھڑا کر دیا گیا ہو۔ ہر دھمکی کو وہ اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں۔ یہی دشمن ہیں‘ پس ان سے بچئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے‘ کہاں سے بچلائے جا رہے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کے رسول تمہارے لئے استغفار کریں تو وہ اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں اور آپ دیکھتے ہیں ان کو کہ وہ رکے رہ جاتے ہیں گھمنڈ اور غرور کی وجہ سے۔ ان کے حق میں بالکل برابر ہے خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں خواہ نہ کریں‘ اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو معاف فرمانے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مت خرچ کرو ان پر کہ جو اللہ کے رسولؐ کے آس پاس ہیں یہاں تک کہ یہ بھیڑ

منتشر ہو جائے' حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کی ملکیت ہیں لیکن منافقین کو اس کا فہم حاصل نہیں۔ کہتے ہیں اگر ہم لوٹ گئے مدینے کی طرف تو ہم میں سے باعزت لوگ کمزوروں کو لازماً نکال باہر کریں گے' حالانکہ عزت تو اللہ کے لئے' اس کے رسولؐ کے لئے اور اہل ایمان کے لئے ہے' لیکن منافق اس کا علم نہیں رکھتے۔

اے ایمان والو! نہ غافل کر پائیں تمہیں تمہارے اموال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے۔ اور جو کوئی اس کا ارتکاب کرے گا تو وہی ہیں کہ جو خسارے میں رہنے والے ہیں۔ اور خرچ کرو اور کھپادو اس میں سے کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آن کھڑی ہو اور پھر وہ کہے اے میرے ربّ کیوں نہ تُو مؤخر کر دے میرے اس وقتِ معین کو تھوڑے سے وقت کے لئے تو میں صدقہ کروں اور میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں۔ اور ہرگز ہرگز مؤخر نہ کرے گا اللہ کسی ذی نفس کے لئے بھی جب کہ اس کا وقتِ معین یعنی اس کی اجل آن پہنچے' اور اللہ تعالیٰ باخبر ہے اس سے کہ جو تم کر رہے ہو۔''

جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے' یہ مختصر سورت نفاق کے موضوع پر انتہائی جامع ہے۔ اب ہم اللہ کے نام سے اس کی آیاتِ مبارکہ کا سلسلہ وار مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ جو باتیں نفاق کے بارے میں تمہیداً عرض کی جا چکی ہیں' ان شاء اللہ العزیز ان کے بعد اس سورۂ مبارکہ کے مطالب و مفاہیم بڑی آسانی سے واضح ہوتے چلے جائیں گے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اگرچہ نفاق کا ذکر بعض مکی سورتوں میں بھی موجود ہے' چنانچہ ہمارے اس ''منتخب نصاب'' کے اگلے درس یعنی سورۃ العنکبوت میں یہ بات سامنے آئے گی' لیکن نفاق نے ایک باقاعدہ ادارے کی شکل مدنی دَور میں اختیار کی اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ایک بیماری تھی جس نے بڑھ کر تدریجاً ''نفاق'' کی معین شکل اختیار کی۔ چنانچہ اس ضمن میں ہمیں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ مدنی سورتوں میں سے اوّلین سورتوں میں اس روگ کی نشان دہی تو کی گئی ہے اور بیماری کا ذکر تو موجود ہے' مگر لفظ ''نفاق'' استعمال نہیں کیا گیا۔ یعنی کسی کو تعین کے ساتھ منافق قرار نہیں دیا گیا۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ﴿فِیۡ

﴿فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ ''ان کے دلوں میں ایک بیماری تھی تو اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا''...... لیکن پوری سورۃ البقرۃ میں کہیں لفظ ''نفاق'' یا ''منافقت'' یا ''منافق'' موجود نہیں۔ تاہم جیسے جیسے معاملہ آگے بڑھا' یہ مرض پوری طرح نمایاں ہو کر سامنے آیا۔ آغاز میں حکمت تربیت کا تقاضا بھی یہ تھا کہ ان کو بالکل ننگا نہ کیا جائے' علامات بیان کر دی جائیں' تاکہ جن کے دلوں میں ابھی یہ روگ ابتدائی درجے میں ہو' اگر وہ متنبہ ہو جائیں اور اصلاح پر آمادہ ہوں تو اس میں انہیں کوئی حجاب محسوس نہ ہو۔ لیکن بہر حال ایک وقت آیا کہ پھر منافق کی اصطلاح کھل کر استعمال ہوئی۔

سورۃ المنافقون کا زمانۂ نزول

اس سورۃ کے زمانۂ نزول کے بارے میں قریباً اتفاق ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے دوران یا اس کے فوراً بعد اس کا نزول ہوا۔ اگرچہ اس غزوے کا قطعی زمانہ معین کرنا خاصا مشکل ہے اور اس بارے میں کچھ اختلافِ رائے بھی پایا جاتا ہے' تاہم اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ غزوہ مدنی دَور کے قریباً وسط میں پیش آیا اور اس موقع پر بعض معین واقعات ایسے سامنے آئے کہ جن کے پس منظر میں جب یہ آیات نازل ہوئیں تو انہوں نے ''نفاق'' کے موضوع پر ایک نہایت جامع مضمون کی حیثیت اختیار کر لی۔

منافقین کے دعوائے ایمان کی حقیقت

فرمایا: ﴿اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ﴾ کہ جب وہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں — یہ ٹکڑا بہت قابل توجہ ہے۔ یہاں نفاق کے بارے میں ایک بات یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ وہ نفاق جس کا ظہور دورِ نبوی میں مدینہ میں ہوا' اس کا آغاز درحقیقت یہود کی جانب سے ہوا اور مسلمانوں میں سے بھی اَوس اور خزرج کے قبیلوں کے وہ لوگ سب سے پہلے اس مرض کی لپیٹ میں آئے جن کے یہودیوں کے ساتھ حلیفانہ تعلقات اور سماجی روابط تھے۔ یہیں سے نفاق کا پودا پروان چڑھا اور برگ و بار لایا۔ یہود کے بارے میں ایک بات یہ جان لینی چاہئے کہ انہوں نے جب نبی اکرم ﷺ کی اُبھرتی ہوئی طاقت کو دیکھا تو اگرچہ ان کے علماء خوب پہچان گئے تھے کہ

آپؐ اللہ کے رسول ہیں ﴿یَعْرِفُوْنَہٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ﴾ لیکن نسلی تعصب کے باعث ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ نبی آخر الزمان کی پیشین گوئیاں ان کے ہاں موجود تھیں اور وہ منتظر تھے کہ اس نبی کے ظہور کا وقت اب قریب ہے۔ چنانچہ جب کبھی اَوس اور خزرج کے لوگوں سے ان کا جھگڑا ہوتا اور ان کی عددی اکثریت کی وجہ سے یہودیوں کو دبنا پڑتا تو وہ یہ دھمکی دیا کرتے تھے کہ اس وقت تو تم ہمیں جس طرح چاہو دبا لو لیکن یاد رکھو کہ نبی موعود کی بعثت کا وقت قریب ہے' جب ہم اس کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں گے تو تم ہم پر غالب نہ آسکو گے۔ گویا آنحضور ﷺ کو انہوں نے پہچان تو لیا تھا لیکن انہیں یہ گمان تھا کہ آخری نبی انہی میں سے یعنی بنی اسرائیل سے ہوگا۔ چنانچہ یہ نسلی اور قومی تعصب ان کے پاؤں کی بیڑی بن گیا کہ ہم سے یہ فضیلت کیوں چھین لی گئی اور بنی اسماعیل میں آخری اور کامل نبوت کا ظہور کیسے ہو گیا!! یہی ان کے قبولِ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔

بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کو تمکن اور غلبہ عطا فرمایا اس کے آگے وہ بے بس سے ہو کر رہ گئے۔ ان کے بعض لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ ہمیں بھی مسلمان تسلیم کیا جائے' اس لئے کہ جن باتوں کی دعوت محمد (ﷺ) دے رہے ہیں ان میں سے دو باتیں وہ ہیں جن کو ہم پہلے ہی سے مانتے ہیں۔ آپؐ توحید کی دعوت دے رہے ہیں' ہم توحید کے پہلے سے علمبردار ہیں' آپؐ آخرت کی دعوت دے رہے ہیں' ہم بھی آخرت کے ماننے والے ہیں۔ پھر یہ کہ تیسری بنیادی شے نبوت و رسالت ہے' اس میں بھی ہمارے مابین کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ نبوت و رسالت کے ہم بھی اسی طرح قائل ہیں جیسے محمد (ﷺ)۔ خود محمد (ﷺ) یہ فرما رہے ہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے رسول تھے' عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے رسول تھے اور یہی نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء جو اُن کے مابین آئے ان سب کی صداقت کے وہ (ﷺ) معترف ہیں تو اب باقی سارے معاملات میں ہمارے اور ان کے مابین کامل اشتراک موجود ہے' سوائے اس کے کہ ہم ان کی رسالت کے قائل نہیں۔

سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع کے ابتدائی الفاظ بڑے قابل توجہ ہیں۔ وہاں جو

نقشہ کھینچا گیا وہ یہود اور منافقین دونوں پر راست آتا ہے۔ فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ''کہ لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور یومِ آخر پر' حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے''۔ اس میں درحقیقت یہود کے اس موقف کی ترجمانی بھی ہو گئی کہ وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے ماننے والے اور یومِ آخر پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ اب جھگڑا صرف رہ جاتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا۔ تو چلئے اگر اتنی سی بات رہ بھی جائے تو اس میں حرج کیا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہماری یہ حیثیت تسلیم کریں کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ یہی معاملہ تھا کہ یہود کے زیر اثر جب اوس اور خزرج کے کچھ لوگوں تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے بھی کچھ اسی طرز کا موقف اختیار کیا کہ اگر ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت اور متابعت اختیار نہ بھی کریں تو تب بھی ہمارے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا! لیکن پھر جب کوئی ایسا موقع آتا تھا کہ ان کی کوتاہی پر سرزنش کی جاتی تھی اور انہیں کوئی وضاحت یا کوئی معذرت پیش کرنی پڑتی تو ان کی طرف سے اپنے ایمان کے ادعاء اور اظہار کے لئے جو سب سے زیادہ پُرزور بات کہی جاتی تھی وہ یہی تھی کہ ہم آپؐ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہاں اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت میں ایمانیات میں سے صرف ایمان بالرسالت کا ذکر ہے: ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کہ منافق لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد بڑے ہی لطیف پیرائے میں تعریض کے انداز میں فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ﴾ کہ اللہ سے بڑھ کر کس کو معلوم ہو گا کہ آپؐ اس کے رسول ہیں! — اللہ کو خوب معلوم ہے آپؐ اس کے رسول ہیں' لیکن فی الحقیقت یہ منافق کذب بیانی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ گویا کہ جو بات ان کی زبان سے نکل رہی ہے وہ اگرچہ لفظاً غلط نہیں ہے' لیکن ان کا قول ان کی دلی کیفیات کی ترجمانی نہیں بلکہ تکذیب کر رہا ہے۔ یہ لوگ دل سے آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے۔ لہٰذا فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝﴾ ''اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔''

نفاق کے درجات اور ان کی علامات

یہاں لفظ ''کذب'' خاص طور پر لائق توجہ ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ کذب ہی درحقیقت نفاق کا نقطۂ آغاز ہے۔ چنانچہ سورۃ المنافقون کی پہلی ہی آیت میں اس کی نشاندہی ہوگئی۔ ابتداء میں تو یہ کذب سادہ سے جھوٹ کی صورت میں ہوتا ہے' لیکن آگے بڑھ کر جب یہ مرض دوسرے مرحلے میں داخل ہوتا ہے تو پھر یہ جھوٹی قسموں کی شکل اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں دیکھئے قسموں کا ذکر آ گیا۔ فرمایا: ﴿اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً...... ﴾ ''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔'' یمین داہنے ہاتھ کو بھی کہتے ہیں۔ اور چونکہ قسم کھاتے ہوئے اور قول و قرار کے موقع پر داہنا ہاتھ اٹھانے کی ایک روایت قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے' لہٰذا قسم کو بھی یمین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ ان منافقوں نے اپنی قسموں کو اپنے لئے ڈھال بنا لیا ہے۔ اگر آپ ان سے پُرسش کریں' کوئی پوچھ گچھ کریں یا ان کو کہیں بھی کسی معاملے میں اپنے موقف کی وضاحت کرنی پڑے تو فوراً قسموں کو اپنی ڈھال کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں کہ خدا کی قسم ہے' اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ درست ہے! ـــــ اپنی قسموں کو ڈھال بنانے کا نتیجہ یہ ہے کہ ﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط﴾ صَدَّ یَصُدُّ عربی زبان میں لازم اور متعدی دونوں معنی دیتا ہے۔ یہاں مفہوم یہ ہوگا کہ پس یہ خود بھی رک گئے ہیں اللہ کے راستے سے اور دوسروں کو بھی روکنے کا سبب بن گئے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ہر فرد اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سے دوسروں کے لئے نمونہ بنتا ہے۔ وہ یا تو خیر کی تشویق و ترغیب کا سبب بنے گا' یا دوسروں کے لئے شر کا راستہ کھولے گا اور نمونۂ شر بنے گا۔ ﴿اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝﴾ ''واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی بُرا طرزِ عمل ہے جو انہوں نے اختیار کیا ہے''۔ یعنی انجامِ کار کے اعتبار سے یہ بہت ہی بری روش ہے۔ دنیا میں تو شاید وقتی طور پر انہیں یہ محسوس ہوتا ہو کہ ہم نے اپنے اس طرزِ عمل کی بدولت جان و مال کا تحفظ کر لیا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ انجامِ کار کے اعتبار سے بہت ہی غلط طرزِ عمل ہے جو انہوں نے اختیار کیا۔

نفاق کا اصل سبب

یہاں اس آیۂ مبارکہ میں ''عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کے الفاظ نوٹ کر لئے جائیں۔ یہ گویا کہ نشاندہی کر رہے ہیں کہ نفاق کا اصل سبب اعراض عن سبیل اللہ یعنی اعراض عن الجہاد فی سبیل اللہ ہے۔ منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی درجے میں نمازیں پڑھنے کو تیار تھے، لیکن جان و مال کے ساتھ جہاد سے ان کی جان جاتی تھی۔ عبداللہ بن اُبی کا قول روایات میں آتا ہے کہ ہم نے نمازیں بھی پڑھی ہیں اور زکوتیں بھی دی ہیں، لیکن اللہ کی راہ میں جان و مال کھپانے کا جو ایک تقاضا اور مطالبہ ہر دم ہمارے سروں پر مسلط رہتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں، اللہ کے دین پر پھر ایک کٹھن مرحلہ آ گیا ہے، اپنی جانیں اور اپنے مال پیش کرو، یہ ہم پر بہت شاق ہے۔ یہ وہ چیز تھی جو اُن کو قدم قدم پر روکتی تھی۔ یہی وہ سبب اور بنیاد ہے کہ جس پر درحقیقت نفاق کا یہ پورا قصر تعمیر ہوتا ہے۔

نفاق کی اصل حقیقت

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ...... ﴾ اب یہاں نفاق کی اصل حقیقت کا ذکر آ رہا ہے، جس کے بارے میں اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ نفاق کی ایک قسم وہ بھی تھی اور یقیناً تھی کہ انسان اسلام کا لبادہ ہی دھوکے کے تحت، فریب دینے کے لئے اوڑھتا تھا اور ایمان کی کبھی کوئی رمق اسے نصیب ہوتی ہی نہ تھی —— لیکن حقیقت کے اعتبار سے نفاق کی جو اصل نوعیت تھی وہ یہاں بایں الفاظ واضح ہو رہی ہے: ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ﴾ ''یہ اس لئے ہوا کہ وہ ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کی روش اختیار کی''۔ نوٹ کیجئے کہ یہ کفر قانونی کفر نہیں ہے۔ اگر تو کوئی شخص ایمان لانے کے بعد علانیہ کافر ہو جائے تو وہ مرتد قرار پائے گا، لیکن منافق مرتد نہیں تھے۔ وہ ہمیشہ اہل ایمان کی صفوں میں، قانونی اسلام کے دائرے میں رہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں یہ لفظ کفر کفرِ حقیقی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جس طرح ایک ایمان قانونی ایمان ہے اور ایک ایمان حقیقی ایمان ہے، اسی طرح ایک کفر قانونی کفر ہے یعنی علانیہ کفر، اور ایک ہے کفر حقیقی۔ اس کفر حقیقی کو اپنے ذہن میں نفاق کے مساوی قرار دے لیجئے۔ یعنی کفر

حقیقی ہی دراصل نفاق ہے۔

سورۃ المنافقون میں نفاق کے موضوع سے متعلق سارے مضامین بڑے ہی اختصار کے ساتھ سمو دیئے گئے ہیں' لیکن اس آیۂ مبارکہ کی جو شرح سورۃ النساء میں وارد ہوئی ہے اس سے انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ پورا processایک دم اور یک بارگی نہیں ہو جاتا اور انسان یہ فیصلے اچانک اور ایک ہی مرتبہ نہیں کر لیتا' بلکہ اس میں بہت سے اتار چڑھاؤ آتے ہیں' انسان کبھی آگے بڑھ رہا ہے' کبھی پیچھے ہٹ رہا ہے' پھر کبھی آگے بڑھنے کی کوشش کی ہے' پھر پیچھے ہٹ گیا ہے۔ اس طرح کی کیفیت دیر تک رہتی ہے' تا آنکہ پھر مرضِ نفاق دل میں راسخ ہو جاتا ہے اور اپنی جڑیں مضبوطی سے جما لیتا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں جو الفاظ آئے ہیں وہ بڑے فکر انگیز ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ؕ﴿﴾ بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ بِاَنَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمَا ﴿﴾﴾

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے' پھر انہوں نے کفر کیا' پھر ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے' اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ہی انہیں راہ یاب کرنے والا ہے۔ (اے نبیؐ!) ایسے منافقوں کو آپ بشارت سنا دیجئے کہ ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔''

یہ ہے مرضِ نفاق کے شکار انسان کی باطنی کیفیت کا نقشہ کہ کچھ آگے بڑھا' پھر پیچھے ہٹا' پھر حالات بہتر ہوئے اور آسانی ہوئی تو سرگرمی کے ساتھ کچھ پیش قدمی کی' لیکن پھر کہیں کوئی مشکل مرحلہ آ گیا تو پسپائی اختیار کر لی۔ اس کیفیت کی تمثیل اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع کے حوالے سے بیان کی جا چکی ہے: ﴿کُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَہُمۡ مَّشَوۡا فِیۡہِ ٭ۙ وَ اِذَاۤ اَظۡلَمَ عَلَیۡہِمۡ قَامُوۡا ؕ﴾ کہ ایمان کے راستے میں' ایمان کے تقاضوں کو ادا کرنے میں کچھ آگے بڑھتے ہیں' قدم اٹھاتے ہیں' پھر ہمت جواب دے دیتی ہے۔ جان و مال کھپانے کے تقاضے بڑے کڑے اور بڑے کٹھن نظر آنے لگتے ہیں تو انسان بیٹھ جاتا ہے۔ پھر کمر ہمت کستا ہے' پھر بیٹھ رہتا ہے۔ یہ عمل جاری رہتا ہے' تا آنکہ ایسا انسان مستقلاً بیٹھ رہتا ہے اور اس سے ہمت و کوشش کی توفیق ہی سلب ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جس کے بارے میں یہاں فرمایا: ﴿فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ لَا

﴿یَفْقَھُوْنَ ﴾ ''تو ان کے دلوں پر مہر ہو چکی' پس وہ فہم سے عاری ہو چکے ہیں۔''

اس کے لئے قرآن حکیم میں ''طبع قلوب'' کے علاوہ ''ختم قلوب'' کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ یہ دونوں تراکیب مفہوم' معنی اور نتیجے کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے پہلے رکوع میں کھلے کھلے کافروں کے ذکر کے ضمن میں الفاظ آئے ہیں: ﴿خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ﴾ جبکہ یہاں منافقین کے ضمن میں فرمایا گیا: ﴿فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ ﴾ ''پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے۔'' ﴿فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ ﴾ ''چنانچہ وہ فہم سے عاری ہو چکے ہیں۔'' اسی کو سورۃ البقرۃ میں ﴿صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴾ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ اندھے' بہرے اور گونگے ہو چکے ہیں' ان کی سماعت و بصارت کی صلاحیتیں بظاہر موجود ہیں' لیکن وہ بصارتِ حقیقی سے تہی دست ہو چکے ہیں' سماعت حقیقی سے محروم ہو چکے ہیں اور اب ان کے لوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔

ذہن میں رکھئے کہ نفاق کا یہ سارا معاملہ دراصل قلب کی دنیا سے یعنی انسان کے باطن سے متعلق ہے۔ ورنہ ظاہری طور پر منافقین مسلمانوں ہی میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی کو بھی آخری وقت تک مسلمان تسلیم کیا گیا۔ یہاں اسلام اور ایمان کے مابین فرق کو' یا یوں کہہ لیجئے کہ ''قانونی ایمان'' اور ''حقیقی ایمان'' کے درمیان اس فرق کو جو اِس سے پہلے مختلف مواقع پر اس منتخب نصاب کے دروس کے دوران زیر بحث آ چکا ہے' ایک مرتبہ پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ اس لئے کہ یہ بڑی اہم بحث ہے۔ دین کے نظام کو سمجھنے کا بہت حد تک دارومدار اِس پر ہے۔

مختصر یہ کہ ایک ہے ''قانونی ایمان'' جس کے لئے مترادف لفظ ''اسلام'' ہے اور ایک ہے ''حقیقی ایمان'' جو یقینِ قلبی سے عبارت ہے۔ اس یقینِ قلبی والے ایمان سے اگر انسان محروم ہو جائے تو یہ ایک نوع کے نفاق کی کیفیت ہے۔ تاہم یہ واضح رہنا چاہئے کہ نفاق یا منافقت کسی قانونی درجے کا نام نہیں ہے اور نہ ہی منافق کی کوئی علیحدہ قانونی حیثیت ہوتی ہے' بلکہ قانونی اعتبار سے تو مسلم اور کافر بس یہی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ہاں ایک مسلمان کی باطنی کیفیات مختلف ہو سکتی ہیں۔ وہ مثبت طور پر مؤمن بھی ہو سکتا ہے اور منفی طور پر منافق بھی!

منافقین کی اسلام دشمنی ــــ ایک چشم کشا واقعہ

سورۃ المنافقون کی ابتدائی تین آیات کا مطالعہ کسی درجے میں ہم نے مکمل کر لیا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے پہلے رکوع کی بقیہ آیات کو سمجھنے کے لئے اس کے تاریخی پس منظر کو پہلے ذہن میں مستحضر کر لینا مفید ہوگا۔ حقیقت نفاق پر اصولی گفتگو اگرچہ ہو چکی ہے' لیکن یہ کہ عملاً یہ نفاق کا مرض انسان کو کہاں سے کہاں پہنچاتا ہے' جس کو اس سے قبل تھرڈ سٹیج سے تعبیر کیا گیا تھا' یعنی نفاق کا وہ مرتبہ جہاں پہنچ کر اہل ایمان کیلئے بغض وعداوت اور ان سے دشمنی منافق کے دل میں گھر کر جاتی ہے' اس کی ایک نمایاں مثال اس واقعے کے حوالے سے سامنے آتی ہے جو غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر پیش آیا۔

اس غزوے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ کچھ منافقین بھی لشکر میں شامل تھے۔ عبداللہ بن اُبی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ واپسی پر مریسیع کے کنویں کے قریب جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا' دو مسلمانوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ایک حضرت جہجاہؓ تھے جو حضرت عمرؓ کے ملازم تھے اور ان کے گھوڑے وغیرہ کو سنبھالتے تھے' اور دوسرا شخص انصار کا حلیف تھا۔ معمولی سا جھگڑا ہوا۔ حضرت جہجاہؓ نے کہیں جذبات میں آ کر اس کو ایک لات رسید کر دی۔ اس پر ہنگامہ ہوا' ایک شور مچ گیا اور پرانی عصبیتوں کو آواز دی گئی۔ ہوتے ہوتے یہ معاملہ مہاجرین اور انصار کے مابین ایک جھگڑے کی شکل اختیار کر گیا۔ حضور ﷺ کو اطلاع ہوئی' آپؐ تشریف لائے' سمجھایا بجھایا' معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ لیکن جیسا کہ عموماً ہوتا ہے' اس کے بعد چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ کچھ لوگ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے پاس گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے تشویش کا اظہار کیا کہ مہاجرین کی جرأتیں بڑھتی جا رہی ہیں! عبداللہ بن اُبی کو تو یوں سمجھئے کہ ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ اس کے خبثِ باطن کے اظہار کے لئے یہ ایک بڑا مناسب موقعہ تھا۔ اس نے لوگوں کو سخت سست کہا کہ آج مجھ سے کیا کہتے ہو' یہ سب کچھ تم لوگوں کا کیا دھرا ہے۔ یہ لٹے پٹے مہاجرین مکہ سے آئے تھے' ان کے پاس کوئی ٹھکانہ نہ تھا' تم نے ان کو جگہ دی' تم نے انہیں پناہ دی' تم نے ان پر خرچ کیا' انہیں کھلایا پلایا۔ اب ان کی ہمتیں اتنی بڑھ گئی ہیں

کہ ہم لوگ یعنی اہل مدینہ ان کی دست درازیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بڑے گستاخانہ الفاظ استعمال کئے۔ عربی زبان کی ایک کہاوت کا حوالہ دیا ''سَمِّنْ کَلْبَکَ یَاْکُلْکَ'' (یعنی اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو' کسی روز وہ خود تمہیں کاٹے گا) اور کہا کہ یہی معاملہ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے' اور خدا کی قسم! اگر تم لوگ اپنا دستِ تعاون اُن سے کھینچ لو اور اُن پر خرچ نہ کرو تو یہ سب چلتے بنیں گے۔ یہ ایمان اور جہاد کا غلغلہ محض اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں کو کھانے پینے کو ملتا ہے' آرام اور آسائش حاصل ہے۔ یہ سہولت اگر سلب کر لی جائے تو یہ ساری بھیڑ چھٹ جائے گی۔ مزید برآں اس نے بہت زور دے کر کہا کہ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں تو بالکل متفق الرائے ہو کر یہ طے کر لیں کہ جو صاحبِ عزت ہیں' جو مدینہ کے قدیم باشندے ہیں (یا جدید اصطلاح میں جو Sons of the soil ہیں) وہ ان کمزور لوگوں کو نکال باہر کریں۔ ان مہاجروں کو جو بڑے کمزور ہیں' جن کی کوئی حیثیت نہیں' اب ہم مدینہ سے بے دخل کر کے چھوڑیں گے۔

یہ باتیں جہاں ہو رہی تھیں وہاں حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے جن کا شمار اس وقت نوجوان اور کم عمر صحابہ میں ہوتا تھا۔ انہوں نے جا کر یہ بات نبی اکرم ﷺ تک پہنچائی۔ معاملہ چونکہ اہم تھا لہٰذا آنحضور ﷺ نے ان سے اس بارے میں خوب اچھی طرح پوچھ گچھ کی کہ کہیں ان سے سننے میں کوئی سہو تو نہیں ہوا۔ لیکن جب آپ ﷺ کو اطمینان ہو گیا کہ حضرت ارقمؓ جو بیان کر رہے ہیں وہ مبنی بر حقیقت ہے تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن اُبی کو طلب فرمایا اور باز پُرس کی۔ وہ صاف قسم کھا گیا کہ مَیں نے ایسی کوئی بات ہی نہیں کہی' یہ بالکل جھوٹ اور افتراء ہے جو مجھ پر باندھا جا رہا ہے۔ اب حضرت زید بن ارقمؓ کی پوزیشن بڑی خراب (awkward) ہو گئی کہ عبداللہ بن اُبی کی بات کو درست تسلیم کیا جائے تو وہؓ جھوٹے پڑتے تھے۔ اتنے بڑے سردار اور اتنے معتبر شخص' رئیسِ خزرج کے مقابلے میں اس کم سن اور نوجوان صحابیؓ کی بات کون سنے! تو اس طرح حضرت زیدؓ کی پوزیشن بڑی ہی خراب ہوئی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ان میں گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نیک دل اور مخلص مسلمان کے قول کی توثیق و تصویب کی کہ جو جھوٹ اس پر چسپاں کر دیا گیا تھا اسے اس سے براءت حاصل ہو

جائے اور اصل حقیقت پورے طور پر مسلمانوں کے سامنے آ جائے۔

اس پس منظر میں ان آیات کا مطالعہ کیجئے اور اس پورے سلسلۂ کلام کو مدنظر رکھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس مرضِ نفاق کی ہلاکت خیزی کیا ہے اور یہ انسان کو کس انجامِ بد سے دوچار کرتا ہے۔ چنانچہ یہ مرض جس کا آغاز بالعموم ایک معمولی سی تقصیر سے ہوتا ہے' یعنی دین کے تقاضوں کے مقابلے میں اپنی جان و مال کے تحفظ کا خیال اور ایثار و قربانی سے گریز' لیکن جب یہ آگے بڑھتا ہے تو جھوٹے بہانوں اور جھوٹی قسموں سے ہوتا ہوا اس منزل تک پہنچ جاتا ہے کہ اللہ کے رسول کی عداوت و دشمنی اور صادق الایمان مسلمانوں سے بغض اور دشمنی دل میں گھر کر جاتی ہے۔ یہ گویا کہ اس مرض کی وہ آخری سٹیج ہے کہ جس کے بعد دلوں پر مہر ہو جاتی ہے۔ یہ point of no return ہے کہ یہاں سے واپسی کا اب کوئی امکان نہیں۔

منافقین کا ظاہر

فرمایا: ﴿وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ﴾ کہ اے نبیؐ! جب آپؐ انہیں دیکھتے ہیں تو ان کا تن و توش آپؐ کو بڑا بھلا لگتا ہے ـــــ یہ بات سورۂ توبہ میں بھی بعینہٖ انہی الفاظ میں آئی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ دنیا دار اور دنیا پرست ہیں اور جن کی ساری محنت اور جدوجہد کا مقصود اور مصرف بس دنیا کی زندگی ہے' ان کے پاس مال و دولت بھی وافر ہو گی اور معاشرے میں انہیں ایک حیثیت و وجاہت بھی حاصل ہو گی۔ وہ جس مجلس میں بیٹھے ہوں گے معتبر نظر آئیں گے۔ تو اس کا ایک نقشہ یہاں کھینچا گیا ہے کہ اے نبی! جب آپؐ انہیں دیکھتے ہیں تو ان کے قد و قامت اور ان کے تن و توش سے آپؐ متاثر ہوتے ہیں ﴿وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِمْ﴾ ''اور جب وہ کوئی بات کرتے ہیں تو (ان کی ظاہری حیثیت کے موافق) آپ ان کی طرف متوجہ ہوتے اور بڑے غور سے ان کی بات سنتے ہیں ـــــ ﴿کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ﴾ یہ ان لکڑیوں کی مانند ہیں جنہیں سہارا دے کر کھڑا کیا گیا ہو ـــ آپؐ ان کے اس ظاہری تن و توش پر نہ جایئے' یہ لوگ اندر سے بالکل کھوکھلے ہیں۔

انسان کی ایک معنوی شخصیت ہوتی ہے۔ وہ اس کی قوتِ ارادی' اس کے عزم اور

اس کی سیرت و کردار کی قوّت سے عبارت ہوتی ہے۔ کوئی شخص خواہ بظاہر دبلا پتلا اور نحیف الجثہ ہو' ابوبکر صدیق ؓ کی مانند کہ جو نحیف و نزار ہی نہیں رقیق القلب بھی تھے' لیکن اندر اگر ایک عزیمت اور ایک فیصلہ کن ولولہ موجود ہو تو یہ شخص ان لوگوں میں سے ہوگا جو تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کے ذریعے سے قوموں کی تقدیریں بدلتی ہیں۔ تو اس معنوی شخصیت کے اعتبار سے ان منافقین کا حال یہ ہے کہ: ﴿کَاَنَّھُمۡ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ﴾ بڑی عمدہ تشبیہہ ہے کہ ایک تو وہ درخت ہے کہ جو خود اپنے بل پر کھڑا ہے اور ایک وہ لکڑی ہے جو اپنی جگہ چاہے کتنی ہی موٹی اور وزنی کیوں نہ ہو لیکن زمین سے چونکہ اسے غذا نہیں مل رہی لہٰذا وہ سوکھ چکی ہے اور اب وہ اپنے بل پر کھڑی نہیں ہو سکتی' اسے کسی سہارے کی ضرورت ہے۔ کہیں اسے سہارا دے کر کھڑا کر دیجئے تو کھڑی رہے گی' بصورتِ دیگر ڈھیر ہو جائے گی۔ ان منافقین کی معنوی حیثیت بھی ان خشک لکڑیوں سے مختلف نہیں!

منافقین کی باطنی کیفیت

آگے فرمایا: ﴿یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَۃٍ عَلَیۡھِمۡ﴾ ان کی اس باطنی کیفیت میں جو بزدلی' کمزوری اور ضعف مضمر تھا اس کی تعبیر ان الفاظ میں فرمائی کہ جب بھی کوئی چیخ یا کوئی بلند آواز کان میں پڑتی ہے تو یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری شامت آ گئی۔ دل ہی دل میں لرزتے اور کانپتے رہتے ہیں۔ سورۃ القیامۃ کی اس آیت کے مصداق کہ ﴿بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ﴾ انہیں خوب معلوم تھا کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔ ان کی اصل حقیقت کیا ہے! —— قرآن میں اگر کوئی وعید وارد ہوتی تو بھی کم از کم وقتی طور پر ان کی جان پر بن جاتی تھی' اس لئے کہ ان کا ضمیر متنبہ کر دیتا تھا کہ یہ ہے انجام جس سے تم دوچار ہو گے۔ اور صَیۡحَۃ کے لفظ کے حوالے سے اشارہ کر دیا گیا کہ کہیں کوئی خطرے کی گھنٹی بجتی' یعنی کسی طرف سے کوئی خطرے کی آواز سنائی دیتی کہ کوئی لشکر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو خوف و دہشت سے ان کی جانیں لرزنے لگتیں۔ فرمایا: ﴿ھُمُ الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡھُمۡ﴾ یہی ہیں اصل دشمن۔ اے نبی! ان کو پہچانئے اور ان کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کی کوشش کیجئے۔ یہ جو آستین کا سانپ ہیں ان کا ڈنگ بہت خطرناک ہے۔ لہٰذا

آپ پورے طور پر چوکس اور محتاط رہیں اور ان کے طرزِ عمل پر نظر رکھیں۔ آیت کے آخری حصے میں فرمایا: ﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ اللہ انہیں ہلاک کرے' یہ کہاں سے لوٹائے جا رہے ہیں! اس میں ایک حسرت بھی ہے کہ کہاں تک ان کی رسائی ہوئی' یہ اپنی خوش بختی کا تصور کریں کہ محمد ﷺ کے دامن سے وابستہ ہونے کا شرف انہیں حاصل ہوا' لیکن یہ بدبخت کہاں تک پہنچ کر واپس جا رہے ہیں! — یہ کس خوش بختی' رشد اور فوز و فلاح کی منزل کے قریب پہنچ کر اب محرومی کی طرف لوٹائے جا رہے ہیں!!

منافقین کی ہٹ دھرمی اور تکبر

اگلی آیت میں فرمایا: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کہ اپنے غلط طرزِ عمل پر پشیمان ہونے اور اصلاحِ احوال کی جانب متوجہ ہونے کی اب ان سے توقع بھی عبث ہے۔ یہ چیز اس مرض کے آغاز میں تو ہوتی ہے لیکن اب معاملہ آگے بڑھ چکا ہے۔ مرضِ نفاق اب تیسری سٹیج میں داخل ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان کا حال یہ ہے کہ جب اہل ایمان ان سے یہ کہتے کہ تم سے جو غلطی ہوئی ہے اس کے ازالے کے لئے چلو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری دو اور اپنی غلطی کا اعتراف کر لو' تا کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہارے لئے استغفار کریں اور اللہ سے تمہاری خطاؤں کی معافی چاہیں تو بجائے اس کے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خطا کا اعتراف کریں ﴿لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ﴾ ''اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں'' — یعنی متکبرانہ انداز میں اپنے سر کو جھٹک دیتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے باطن میں نفاق کا پودا پوری طرح برگ و بار لا چکا ہے اور ان کی پوری شخصیت پر آکاس بیل کی طرح مسلط ہو چکا ہے۔ فرمایا: ﴿وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ ''اور آپ دیکھتے ہیں کہ وہ رکے رہ جاتے ہیں' استکبار کرتے ہوئے'' — ان کے قدم گویا کہ جکڑ دیئے گئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر غلطی کا اعتراف اور استغفار کی درخواست کرنے سے گویا کوئی چیز ان کے قدموں کو روکے ہوئے ہے اور یہ سب کچھ درحقیقت تکبر اور گھمنڈ کے باعث ہے۔

منافقین کا حسرت ناک انجام

اگلی آیت میں اس حسرت ناک انجام اور محرومی کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو منافقین کا

مقدر ہے۔فرمایا: ﴿سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ لَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ﴾ کہ اے نبی! ان منافقین کے لئے برابر ہے آپؐ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں' اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ گویا کہ آپؐ کا استغفار بھی ان بدبختوں کے حق میں مفید نہیں۔ اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں یہ مضمون سورۂ توبہ میں دہرایا گیا ہے۔ وہاں اضافی طور پر فرمایا: ﴿اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ سَبۡعِیۡنَ مَرَّۃً فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ﴾ کہ اگر آپؐ ستّر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار فرمائیں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا۔ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ منافقین کے بیان میں یہاں وہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو سورۃ البقرۃ کے پہلے رکوع میں پکے اور کٹر کافروں کے لئے ملتا ہے۔ وہ کھلے کافر جو کفر کی آخری حدوں کو پہنچ چکے تھے' جن کے لئے ﴿خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ﴾ کے فیصلے کا اعلان ہوا' ان کے بارے میں سورۃ البقرۃ میں یہی الفاظ آتے ہیں: ﴿سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ کہ ان کافروں کے حق میں بالکل برابر ہو چکا ہے خواہ آپؐ انہیں خبردار فرمائیں خواہ نہ فرمائیں' اب یہ ایمان لانے والے نہیں۔ وہی بات یہاں منافقین کے بارے میں فرمائی گئی۔ گویا منافقین کا شمار اگرچہ دنیا میں مسلمانوں ہی میں ہوتا ہے لیکن ان کا انجام بدترین کافروں کے ساتھ ہوگا۔

آیت کے آخری ٹکڑے میں اسی قاعدہ کلیہ کو دہرایا گیا جو اس سے پہلے سورۃ الصّف میں بھی بیان ہوا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ﴾ "یقیناً اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا" —— یہ بات اس کی سنت اور اس کے ضابطے کے خلاف ہے کہ وہ کسی کو زبردستی راہِ ہدایت پر لے آئے۔ زبردستی ہدایت دینی ہوتی تو پھر کون ہوتا جو ہدایت سے محروم رہ جاتا۔ پھر تو ابوجہل اور ابولہب بھی ہدایت سے محروم نہ رہتے۔ اللہ تو ہدایت انہی کو دیتا ہے جو ہدایت کے جویا ہوں' جو ہدایت کے طالب اور متلاشی ہوں' جو ہدایت اختیار کرنے کا فی الواقع ارادہ رکھتے ہوں۔ جو لوگ دیدہ دانستہ فسق و فجور کے راستہ پر چل رہے ہوں انہیں زبردستی ہدایت دینا اللہ کا طریقہ نہیں!

(جاری ہے)

ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں پاکستان ٹیلی ویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلۂ تقاریر

رسول کامل ﷺ

مقرر : ڈاکٹر اسرار احمد

(۱۱)

اُمّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ کے اہم خدوخال

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ○ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ○ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۖ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ○ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ○ ﴾ (بنی اسراءیل : ۴-۸)

"اور ہم نے (ان کی) کتاب (توراۃ و دیگر صحف) میں بنی اسرائیل کو اس بات پر بھی متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ آخر کار جب ان میں سے پہلی سرکشی کا موقع آیا تو (اے بنی اسرائیل!) ہم نے تمہارے مقابلے میں اپنے ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زور آور تھے اور وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔ یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔ اس کے بعد ہم نے تمہیں ان پر غلبے کا موقع دے دیا اور تمہیں مال اور اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھا دی۔ دیکھو! تم نے بھلائی کی تو وہ تمہارے اپنے ہی لئے بھلائی تھی اور برائی کی تو وہ تمہاری اپنی

ذات کے لئے برائی ثابت ہوئی۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے تمہارے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اس طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے اسے تباہ کر کے رکھ دیں۔ ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے' لیکن اگر تم نے اپنی سابق روش کا اعادہ کیا تو ہم بھی پھر اپنی سزا کا اعادہ کریں گے۔ اور کفرانِ نعمت کرنے والے لوگوں کے لئے ہم نے جہنم کو قید خانہ بنا رکھا ہے۔"

قرآن حکیم کے بالکل وسط میں سورۂ بنی اسرائیل واقع ہے۔ اس کے پہلے رکوع میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے چار ادوار کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فیصلے کا' جس کا اعلان ان کی کتاب (تورات و دیگر صحف) میں کر دیا گیا تھا' اظہار فرمایا ہے کہ ان پر اپنی تاریخ کے دوران دو مرتبہ عذاب الٰہی کے کوڑے برسے ہیں۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں آنحضور ﷺ کا یہ فرمان نقل ہوا ہے:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِىْ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ)) (۱)

"میری امت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے تھے' بالکل ایسے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے۔"

اس حدیث کی روشنی میں اگر ہم دیکھیں تو امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ بھی چار ادوار میں منقسم نظر آتی ہے' جیسے چار ادوار بنی اسرائیل کی تاریخ میں نظر آتے ہیں۔ دو عروج اور دو زوال ـــــ ان کے عروج اوّل کا نقطۂ کمال (Climax) حضرت طالوت' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کا عہدِ حکومت ہے۔ اس کے بعد زوال اوّل آتا ہے' جو ۵۸۷ء قبل مسیح میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ بخت نصر (جسے "نبوکد نضر" بھی کہا گیا ہے) کے حملے کے وقت بیت المقدس تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے' ہیکلِ سلیمانی مسمار کر دیا جاتا ہے' لاکھوں یہودی قتل ہوتے ہیں اور چھ لاکھ یہودیوں کو وہ اسیر بنا کر بابل (Babilonia) لے جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر ان کے عروج کا ایک دور آتا ہے' جس کا سب سے بڑا مظہر سلطنتِ مکاوی کا ظہور ہے۔ پھر وہ اپنے دوسرے زوال سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس کا آغاز ۷۰ء میں رومی جنرل طائطس (Titus) کے حملے سے ہوتا ہے' جس نے پھر بیت المقدس کو تاخت و

تاراج کیا۔ اس کے بعد سے اب تک بنی اسرائیل پستی و زوال اور اضمحلال کا شکار ہیں۔ وقفے وقفے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے کوڑے ان کی پیٹھ پر برس رہے ہیں۔ ماضی قریب میں سلطنتِ اسرائیل کی شکل میں انہوں نے ذرا سا سانس لیا ہے' لیکن یہ معلوم ہے کہ وہ بھی اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ امریکہ کی شہ پر اور اسی کے سہارے سے۔

اس نقشے کو پس منظر میں رکھئے اور اب آیئے اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ کی جانب۔ ہمارا عروج اوّل تقریباً ۴۰۰ سال پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ عروج ساتویں' آٹھویں' نویں اور دسویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے۔ یہ عروج عربوں کی زیر قیادت ہوا۔ یہ چار سو سال ایسے گزرے ہیں کہ زمین پر عظیم ترین مملکت' اسلامی مملکت تھی۔ اور یہ اسلامی مملکت صرف ایک عسکری اور سیاسی قوت نہ تھی بلکہ اس میں تہذیب و تمدن اور علوم و فنون اپنے پورے نقطہ عروج کو پہنچے ہوئے تھے۔ یہ ہمارا پہلا عروج ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں اس سے پہلے اتنی عظیم الشان مملکت کی کوئی مثال موجود نہیں تھی۔ لیکن پھر ہمارا زوال آیا۔ اس زوال کا اصل سبب جان لینا چاہئے کہ قرآن مجید میں بطور تنبیہہ (Warning) ارشاد فرمایا گیا تھا:

﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ﴾ (محمد : ۳۸)

یعنی اے محمد (ﷺ) کے ماننے والو! اگر تم نے پیٹھ موڑ لی' ان مقاصد کی تکمیل کے بجائے جو محمد (ﷺ) کے امتی ہونے کی حیثیت سے تمہارے سپرد کئے گئے ہیں' اگر تم نے اپنی ذاتی منفعت اور ذاتی اقتدار کو ہی مطلوب و مقصود بنا لیا اور تم بھی دنیا کے عیش میں پڑ گئے تو جان لو کہ ہماری سُنّت کا ظہور ہو گا۔ ہم تمہیں ہٹائیں گے' کسی اور کو لے آئیں گے۔

ظاہری اعتبار سے اسبابِ زوال کا خلاصہ مطلوب ہو تو وہ علامہ اقبال کے اس شعر میں موجود ہے ؎

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل' طاؤس و رباب آخر

چنانچہ جب ہمارا حال بھی "طاؤس و رباب آخر" کی تصویر بن گیا تو ہم زوال سے دوچار ہوئے۔ عذابِ الٰہی کے کوڑے ہماری پیٹھ پر برسے' پہلے صلیبیوں کی شکل میں اور پھر فتنۂ تاتار

کی صورت میں۔ پھر ۱۲۵۸ء میں وہ اپنے پورے نقطۂ عروج کو پہنچ گئے جب سلطنت یا خلافتِ بنی عباس کا چراغ گُل ہو گیا اور عالمِ اسلام پورے کا پورا ایسے ضعف و اضمحلال کا شکار ہوا کہ بظاہر احوال کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اسے دوبارہ بھی اٹھنا نصیب ہو گا۔ لیکن پھر اسی سنّتِ الٰہی کا ظہور ایک عجیب شان کے ساتھ ہوا۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اللہ نے جن کو عذاب کا کوڑا بنا کر مسلمانوں کی پیٹھ پر برسایا تھا' انہی کو ایمان و اسلام کی توفیق عطا فرما دی' انہی کے ہاتھ میں اپنے دین کا علم تھما دیا۔ چنانچہ یہ تین ترک قبیلے ہی ہیں کہ جن کی زیر سیادت و قیادت پھر اسلام کو اپنے دوسرے عروج کا دور دیکھنا نصیب ہوا۔ ترکانِ تیموری نے ہندوستان میں ایک عظیم مملکت قائم کی۔ صفوی حکومت جو ایران میں قائم ہوئی' اصلاً وہ بھی ایک ترک حکومت تھی۔ پھر سلطنتِ عثمانیہ (ترکی) قائم ہوئی اور پورا عالمِ عرب اور پورا شمالی افریقہ اس کے زیر نگیں آیا۔ انہی کے ہاں پھر خلافت کا احیاء ہوا۔ چوتھی بنو امیہ کی وہ سلطنت جو اندلس میں تھی۔ ان چار عظیم مملکتوں کی صورت میں دنیا میں پھر مسلمانوں کی سطوت کا ڈنکا بجا۔

لیکن اس عروج کے بعد پھر زوال ثانی آیا۔ یہ درحقیقت یورپی استعمار کے ہاتھوں آیا۔ اس کا نقطۂ آغاز پندرہویں صدی عیسوی کے اختتام پر سلطنت اندلس (ہسپانیہ) کا زوال ہے۔ ۱۴۹۲ء میں سقوط غرناطہ کے بعد یوں سمجھئے کہ وہ سلطنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ گئی جس کا مرثیہ علامہ اقبال نے اس طرح کہا ہے ؎

غلغلوں سے جس کی لذّت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے؟

اس کے بعد ۱۵۴۸ء میں واسکوڈی گاما نے وہ راستہ تلاش کر لیا جس سے مغربی استعمار کا سیلاب عالم اسلام کے دائیں بازو یعنی مشرق بعید (Far East) پر حملہ آور ہوا۔ ملایا اور انڈونیشیا کی مملکتیں اور اس کے بعد ہندوستان کی عظیم سلطنت مغربی استعمار کا نوالہ بن گئیں۔ ہماری بڑی بڑی سلطنتیں اور مملکتیں کچے گھروندوں کی مانند مغربی استعمار کے سیلاب میں بہتی

چلی گئیں۔ یہ عمل بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا جب پہلی جنگِ عظیم کے بعد دنیا کا یہ نقشہ سامنے آیا کہ سلطنتِ عثمانیہ ختم ہو گئی' ترکی کے نام سے ایک چھوٹا سا ملک باقی رہ گیا۔ پورا عالمِ عرب مغلوب ہو گیا۔ اس کے حصّے بخرے کر لئے گئے۔ اس کی خبر دی تھی نبی اکرم ﷺ نے کہ :

((يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا))

یعنی "مسلمانو! اندیشہ ہے کہ تم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اقوامِ عالم تم پر ایک دوسرے کو ایسے دعوت دیں گی جیسے دعوتِ طعام کا اہتمام کرنے والا دسترخوان چنے جانے کے بعد مہمانوں کو بلایا کرتا ہے کہ آیئے اب کھانا تناول فرمایئے' اس طرح تم اقوامِ عالم کے لئے لقمۂ تر ہو جاؤ گے"۔

صحابہ نے بڑے تعجب کے ساتھ سوال کیا:

((مِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟))

"حضور ﷺ! کیا یہ اس لئے ہو گا کہ اُس روز ہماری تعداد بہت کم ہو جائے گی؟"

حضور ﷺ نے فرمایا : نہیں' ((بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ' وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ' وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ)) یعنی "نام کے مسلمان تو بہت ہوں گے۔ تمہاری تعداد تو بہت ہو گی لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے اوپر کے جھاگ کی مانند ہو کر رہ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت نکال باہر کرے گا اور خود تمہارے دلوں میں وہن (کی بیماری) ڈال دے گا"۔ اس پر سوال ہوا:

((مَا الْوَهْنُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟))

تو آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا :

((حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ)) (۲)

"دنیا کی محبت اور موت سے کراہت"۔

یہ نقشہ جو ہمیں اس حدیث نبویؐ میں نظر آتا ہے' بیسویں صدی کے بالکل آغاز میں عالم اسلام میں بچشمِ سر دیکھا گیا ہے۔ وہ وقت تھا جب ایک دلِ دردمند کی صدا سننے میں آئی تھی۔ مولانا حالی نے مسدس کی پیشانی پر جو شعر لکھے ہیں وہ اسی صورت حال کے عکاس ہیں :

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے   اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے

مانے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد　　دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اور خاتمے پر بحضور سرور عالم ﷺ جو مناجات ہے' اس کا آغاز ان اشعار سے ہوا ؎

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
اُمّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

یہ تھا نقشہ بیسویں صدی کے آغاز میں۔ البتہ یہ بات نوٹ کر لینے کی ہے کہ اس کے بعد سے اب تک ایک دوہرا عمل ہمارے سامنے آیا ہے۔ ایک طرف ہمارے انحطاط اور زوال و اضمحلال کے سائے مزید گہرے ہوتے چلے گئے' بیت المقدس دوسری مرتبہ ہمارے ہاتھ سے چھنا اور اب بھی وہ ایک مغضوب علیہم قوم کے قبضے میں ہے' سقوطِ ڈھاکہ اور عرب اسرائیل جنگوں میں جو مسلمانوں کو شکستیں ہوئیں' یہ عذابِ الٰہی کے کوڑے ہیں جو ہماری پیٹھ پر برس رہے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ایک احیاء و تجدید کی تحریک بھی شروع ہو چکی ہے۔ ایک احیائی عمل کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ اس کے پہلے مرحلے (Phase) سے بحمد اللہ اور بفضلہٖ تعالیٰ امّتِ مُسلمہ کسی حد تک گزر بھی چکی ہے۔ چنانچہ پورے عالم اسلام سے مغربی استعمار کا تقریبا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اس سیلاب کا رخ موڑا جا چکا ہے۔ سیاسی اعتبار سے تقریباً پورا عالم اسلام آزادی حاصل کر چکا ہے اگرچہ ذہنی غلامی ابھی باقی ہے' تہذیبی و علمی اور فنی غلامی ابھی برقرار ہے۔

بایں ہمہ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے کہ سیاسی طور پر عالم اسلام کی عظیم اکثریت آزادی سے ہمکنار ہو چکی ہے۔ تاہم اصل کام ابھی باقی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

وہ کام جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ امت کے حوالے فرما کر گئے تھے' آپؐ کی جو امانت ہمارے پاس ہے' وہ فرضِ منصبی جو بحیثیتِ اُمّت ہمارے کاندھوں پر ہے جب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے کاندھے پر آیا تھا تو وحی آسمانی نے پیشگی طور پر فرما دیا تھا کہ :

﴿ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ○ ﴾ (المزمل:۵)

"(اے محمد ﷺ!) ہم آپ پر ایک بڑی بات ڈالنے والے ہیں"۔

وہ بھاری بوجھ ہے جو اُمّتِ مُسلمہ کے کاندھے پر ہے۔ یہ اُمّت پیغامِ محمدیؐ کی امین ہے' یہ دینِ خداوندی کی علم بردار ہے۔ اس پیغام کو پوری نوعِ انسانی تک پہنچانا اس کے ذمہ ہے۔ اس دین کو قائم اور نافذ کرنا اور پھر نوعِ انسانی کو اس نظامِ عدلِ اجتماعی سے روشناس کرانا جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں لائے تھے' یہ ہے ہمارا فرضِ منصبی' یہ ہیں ہماری ذمہ داریاں۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں ہمارا عروج اور ہماری عزت و وقار کا معاملہ دوسری قوموں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ہم دنیا میں معزز اور سربلند اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک ہم اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے محنت' سعی و کوشش اور جدوجہد نہ کریں ؎

اپنی مِلّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

گویا ہمارے عروج و زوال کا معاملہ دنیا کی عام قوموں کے عروج و زوال کے اسباب سے بالکل جدا ہے۔ ہمارے ذمہ جو فرضِ منصبی ہے' اگر اس کو ادا کریں گے تو تائیدِ خداوندی ہمارا ساتھ دے گی۔ بقول علامہ اقبال ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں!

فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ○ وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ○○

حواشی

(۱) سنن الترمذی' کتاب الایمان عن رسول اللّٰه ﷺ ' باب ما جاء فی افتراق هٰذه الامة

(۲) سنن ابی داوٗد' کتاب الملاحم' باب فی تداعی الامم علی الاسلام

النسخ فی القرآن

تعریف' اقسام اور منسوخ آیات

کے بارے میں مروی روایات کی استنادی حیثیت

حافظ نذیر احمد ہاشمی ☆

نسخ: (ناسخ ومنسوخ) اصولِ تفسیر واصول فقہ کی اہم اصطلاح ہے۔ اہل لغت کے مطابق نسخ (مادہ: ن س خ) کا استعمال دو معانی میں ہوتا ہے:

۱) کسی کتاب سے حرف بحرف نقل کرنا' بنا بریں نقل شدہ مسودے کو نسخہ (ج: نسخ) کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الجاثیة: ۲۹)

''تم جو کچھ کرتے رہتے تھے ہم اسے لکھوالیا کرتے تھے''۔

۲) ابطال وازالہ جو عام طور پر دو طرح سے ہوتا ہے:

ا) بدل یا قائم مقام سے' جیسے کہا جاتا ہے: نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ' یعنی سورج نے سایہ ختم کر دیا۔ اس صورت کو تحویل وتبدیل بھی کہہ سکتے ہیں۔

ب) بلا کسی بدل یا قائم مقام کے۔ محاورہ ہے: نَسَخَتِ الرِّيْحُ الْاَثَرَ' یعنی ہوا نے نشان مٹا دیا ہے۔ اسی مفہوم میں ارشاد باری ہے:

﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ط﴾ (الحج: ۵۲)

''جو وسوسہ شیطان ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دور کر کے اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے''۔(۱)

☆ لیکچرر عربیک، قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

(۱) دیکھئے: لسان العرب' تاج العروس' مفردات فی غریب القرآن' النہایہ' الصحاح' بذیل مادہ۔

نسخ کے لغوی معنی کے بارے میں علامہ زرکشی لکھتے ہیں:

والنسخ یاتی بمعنی الازالة ومنه قوله تعالٰی ﴿فَیَنسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ﴾ . ویاتی بمعنی التبدیل ﴿وَاِذَا بَدَّلْنَا اٰیَةً مَّکَانَ اٰیَةٍ......﴾ویاتی بمعنی التحویل کتناسخ المواریث یعنی تحویل المیراث من واحد الی واحد . ویاتی بمعنی النقل من موضع الی موضع ومنه نسخت الکتاب اذا نقلت ما فیه حاکیا للفظه وخطه[۲]

''نسخ کا لفظ زائل کرنے (مٹا دینے) کے معنی میں آتا ہے اور اس کی مثال ہے: ﴿فَیَنسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ ط﴾ (جو وسوسہ شیطان ڈالتا ہے اللہ اسے دور کر کے اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے)۔ اور تبدیل کے معنی میں بھی آتا ہے' جیسے قولہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا بَدَّلْنَا اٰیَةً مَّکَانَ اٰیَةٍ......﴾ (اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے بدل دیتے ہیں) اور تحویل کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مثلاً مواریث کا تناسخ' یعنی ایک شخص سے دوسرے شخص کی جانب تحویل میراث۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً نسخت الکتاب ۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ تم قرآن کے لفظ اور خط دونوں کی بجنسہٖ دوسرے مقام پر نقل کرو''۔

مؤخر الذکر معنی (قرآن کے لفظ اور خط دونوں کی بجنسہٖ دوسرے مقام پر نقل) کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا نسخ بایں معنی قرآن میں موجود بھی ہے کہ نہیں! نحاس نے اس کو جائز قرار دیا تھا تو مکی نے اس کی خبر لیتے ہوئے یہ حجت پیش کی کہ قرآن میں ناسخ سے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ منسوخ کے لفظ کو لا سکے اور وہ جن الفاظ کو لاتا ہے وہ الفاظ خاص قرآن منسوخ کے الفاظ نہیں ہوتے بلکہ اس کے غیر ہوتے ہیں۔ لیکن سعیدی نے نحاس کی تائید کرتے ہوئے ان کے دفاع میں درج ذیل آیات پیش کی ہیں' جیسا کہ علامہ زرکشی لکھتے ہیں:

"قال مکی وهذا الوجه لا یصح فی القرآن وانکر علی النحاس اجازته ذلک محتجا بان الناسخ فیه لا یاتی بلفظ المنسوخ وانما اتی بلفظ

(۲) البرهان فی علوم القرآن' جلد۲' ص۲۹

آخـر . وقال الامام ابوعبد الله محمد بن بركات السعدى : يشهد لما قـاله النحاس قوله تعالى ﴿اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝﴾ وقوله: ﴿وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ و معلوم ان ما نزل من الوحى نـجـومـاً جـميعه فى اُم الكتاب وهو اللوح المحفوظ كما قال : ﴿فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝﴾ (۳)

''مکی نے کہا ہے کہ اس وجہ کا قرآن میں پایا جانا صحیح نہیں ہے۔نحاس نے اس بات کو جائز قرار دیا تھا تو مکی نے اس کی تردید میں یہ دلیل پیش کی تھی کہ قرآن میں ناسخ منسوخ کے لفظ سے نہیں بلکہ دوسرے لفظ سے آیا ہے۔امام ابوعبداللہ محمد بن برکات السعدی نے کہا ہے کہ نحاس کے قول کا شاہد اللہ عزوجل کا درج ذیل ارشاد گرامی ہے:﴿اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝﴾ نیز یہ ارشاد گرامی بھی اس کے قول کا شاہد ہے:﴿وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ۝﴾ اور یہ تو معلوم ہے کہ جس قدر وحی متفرق طور پر نازل ہوئی ہے وہ سب لوح محفوظ میں موجود ہے' جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:﴿فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۝﴾

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰۶﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا﴾ میں نسخ کا مذکورہ بالا معنیٰ (قرآن کے لفظ اور خط دونوں کی بجنسہٖ دوسرے مقام پر نقل) مراد نہیں' بلکہ اس سے مراد ''الازالۃ'' ہے۔ چنانچہ ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں لکھتے ہیں:

النسخ فى كلام العرب على وجهين ' احدهما النقل ' كنقل كتاب من اخر وعلى هذا يكون القرآن كله منسوخا اعنى من اللوح المحفوظ وانـزالـه الـى بيـت العزة فى السماء الدنيا' وهذا لا مدخل له فى هذه الاية ومـنـه قـولـه تـعالى : ﴿ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾......

الثانى: الابطال والازالة وهو المقصود هنا (۴)

(۳) البرهان فى علوم القرآن للزركشى 'الباب الرابع والثلاثون معرفه ناسخه ومنسوخه : ج۲'ص۲۹'۳۰'مطبع دارالفکر'بیروت'سن طباعت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔الاتقان فی علوم القرآن'ج۲'ص۲۵

(۴) الجامع لاحكام القرآن :ج۲'ص۶۲' مکتبہ داراحیاء التراث العربی'بیروت۔

''کلامِ عرب میں نسخ کی دو قسمیں ہیں' ایک نقل' مثلاً کسی کتاب کی دوسری سے نقل۔ اور اس معنی کے لحاظ سے پورا قرآن مجید لوح محفوظ سے سماء دنیا میں واقع بیت العزت کی طرف نازل ہونے کی بنا پر منسوخ کہلائے گا۔ لیکن اس آیت ﴿مَا نَنسَخ ......﴾ میں یہ معنی مراد نہیں ہے' بلکہ اس کی مثال اللہ عزوجل کا ارشاد ﴿اِنَّا کُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا کُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥﴾ ہے۔ اور نسخ کی دوسری قسم (اس کا دوسرا معنی) ابطال و ازالہ ہے اور یہی معنی مقصود و مراد ہے سورۃ البقرۃ کی آیت کا۔

پھر ابطال اور ازالہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آیت منسوخہ کی جگہ دوسری آیت کریمہ کا نزول ہو' جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾ اور دوسری قسم یہ کہ آیت منسوخہ کی جگہ دوسری آیت کریمہ کا نزول بھی نہ ہو' جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَیَنسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ﴾ اسی کو بیان کرتے ہوئے علامہ قرطبی رقم طراز ہیں:

والازالة منقسم فی اللغة علی ضربین: احدهما ابطال الشیء وزواله واقامة آخر مقامه ...... وهو معنی قوله تعالی ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾ ...... الثانی ازالة الشیء دون ان یقوم آخر مقامه ......وهو معنی قوله تعالی ﴿فَیَنسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ......﴾ وزعم ابو عبید ان هذا النسخ الثانی قد کان ینزل علی النبی ﷺ السورة فترفع فلا تتلی ولا تکتب(۵)

''لغت میں ازالہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کسی شے کو زائل کر کے دوسرے کو اس کے قائم مقام کرنا اور آیت ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ اٰیَةٍ......﴾ میں یہی معنی ملحوظ ہے۔

(۲) کسی شے کا ازالہ بھی کر دیا جائے اور اس کی جگہ کوئی دوسری شے بھی نہ لائی جائے۔ اور یہ معنی آیت ﴿فَیَنسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ......﴾ کا ہے۔ امام ابوعبید کا خیال ہے کہ نسخ کی اس دوسری قسم کا وقوع اس طرح ہوتا تھا کہ نبی کریم ﷺ پر کوئی سورت نازل ہوتی اور پھر اٹھالی جاتی' بایں معنی کہ پھر نہ اس

(۵) الجامع لاحکام القرآن' ج۲' ص۶۲' ۶۳

کی تلاوت ہوتی اور نہ (مصحف میں) کتابت''۔

علامہ آلوسی نسخ کے مفہوم کے بارے میں روح المعانی میں لکھتے ہیں:

فسَّر بعضهم – النسخ –بازالة الحكم سواء ثبت اللفظ او لا – والانساء بازالة اللفظ ثبت حكمه اولا – وبعض آخر فسَّر النسخ بالاذهاب الى بدل للحكم السابق – والثانى اى الانساء بالاذهاب لا الى بدل (٦)

''بعض علماء نے نسخ کی تعریف یہ کی ہے کہ حکم کا ازالہ چاہے لفظ ثابت ہو یا نہ ہو' نسخ کہلاتا ہے' جبکہ انساء لفظ کے ازالہ کا نام ہے چاہے اس کا حکم برقرار ہو یا نہ ہو۔ اور بعض دوسرے علماء نے نسخ کی تعریف یوں کی ہے: ''سابقہ حکم کو ختم کر کے اس کے عوض میں دوسرا حکم نازل کرنا'' اور انساء کی تعریف یوں کی ہے: ''سابقہ حکم کو بغیر عوض کے ختم کرنا''۔

احکام الٰہیہ میں نسخ کی حقیقت

دنیا کی حکومتوں میں کسی حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دینا مشہور و معروف ہے۔ لیکن انسانوں کے احکام میں نسخ کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ کسی غلط فہمی سے ایک حکم جاری کر دیا' بعد میں حقیقت معلوم ہونے پر وہ حکم بدل دیا۔ کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا اس وقت کے حالات کے مناسب تھا اور آگے آنے والے حالات کا اندازہ نہ تھا' جب حالات بدلے تو حکم بھی بدلنا پڑا۔ یہ دونوں صورتیں احکامِ خداوندی میں نہیں ہوسکتیں۔

ایک تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ حکم دینے والے کو اوّل ہی سے معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے اور اس وقت یہ حکم مناسب نہیں ہوگا' دوسرا حکم دینا ہوگا۔ یہ جانتے ہوئے بھی آج ایک حکم دے دیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو اپنی قرارداد سابق کے مطابق حکم بھی بدل دیا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مریض کے موجودہ حالات کو دیکھ کر ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ دو روز اس دوا کے

(٦) روح المعانی' الجز الاوّل' ص ۳۵۱' المکتبة الرشیدیة لاهور

استعمال کے بعد مریض کا حال بدلے گا' اس وقت مجھے دوسری دوا تجویز کرنا ہوگی۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے وہ پہلے دن ایک دوا تجویز کرتا ہے جو اُس دن کے مناسب ہے' دو دن کے بعد حالات بدلنے پر دوسری دوا تجویز کرتا ہے۔

اللہ جل شانہ کے احکام میں اور اس کی نازل کردہ کتابوں میں صرف یہی آخری صورت نسخ کی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ ہر آنے والی نبوت اور کتاب نے پچھلی نبوت اور کتاب کے احکام کو منسوخ کر کے نئے احکام جاری کئے۔ اسی طرح ایک ہی نبوت و شریعت میں بھی ایسا ہوتا رہا کہ کچھ عرصہ تک ایک حکم جاری رہا' پھر بتقاضائے حکمت خداوندی اس کو بدل کر دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے:

((لَمْ تَكُنْ نُبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَنَاسَخَتْ)) (۷)

''کبھی کوئی نبوت نہیں آئی جس نے احکام میں نسخ اور ردوبدل نہ کیا ہو''۔

احکام الٰہیہ میں نسخ

یہود کے نزدیک چونکہ نسخ سے معاذ اللہ خداوند کریم کی نسبت بداء ہونے کی قباحت لازم آتی ہے اس لئے انہوں نے اس کو قابل اعتراض قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

> وانکرہ الیھود ظنا منھم انہ بداء کالذی یری الرای ثم یبدو لہ بطلانہ(۸)
>
> ''اور یہود نے یہ گمان کرتے ہوئے نسخ کا انکار کیا ہے کہ یہ بداء ہے اور بداء یہ ہے کہ کسی شخص کے دل میں کوئی خیال آئے اور پھر اس کا بطلان اس پر واضح ہو جائے''۔

یہود کے برعکس تقریباً تمام اہل اسلام نے بالاتفاق احکامِ الٰہیہ میں وقوع نسخ کو جائز مانا ہے' سوائے فرقہ معتزلہ کے بعض علماء کے۔ بقول ان کے احکام الٰہیہ میں نسخ کا امکان تو ہے' کوئی امر اِس کے لئے مانع نہیں' لیکن پورے قرآن میں نسخ کا وقوع کہیں نہیں ہوا'

(۷) الجامع لاحکام القرآن : للقرطبی' ج ۲' ص ۶۲

(۸) الاتقان فی علوم القرآن : للسیوطی' ج ۲' ص ۳۵

نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ۔ یہ قول ابومسلم اصفہانی کی طرف منسوب ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں:

واتفقت اهل الشرائع على جواز النسخ ووقوعه وخالفت اليهود غير العيسوية فى جوازه وقالوا يمتنع عقلاً وابومسلم الاصفهانى فى وقوعه فقال انه وان جاز عقلاً لكنه لم يقع[9]

''تمام اہل شرائع کا نسخ کے جواز اور وقوع دونوں پر اتفاق ہے۔ صرف یہودیوں نے' بجز عیسویہ کے' امکان نسخ کا انکار کیا ہے اور ابومسلم اصفہانی نے وقوع کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نسخ احکامِ الٰہیہ میں ممکن تو ہے مگر کہیں واقع ہوا نہیں''۔

امام قرطبی الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں:

معرفة هذا الباب اكيدة وفائدته عظيمة لا يستغنى عن معرفته العلماء ولا ينكره الا الجهلة الاغبياء[10]

''باب نسخ کی معرفت بہت ضروری ہے اور فائدہ اس کا بہت بڑا ہے۔ اس کی معرفت سے علماء مستغنی نہیں ہو سکتے اور جاہلوں بیوقوفوں کے سوا اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا''۔

یہود نے اس کو بداء کہہ کر جو انکار کیا ہے اس کے جواب میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

وجعلت اليهود البداء والنسخ شيئًا واحدًا ولذلک لم يجوزوه فضلوا قال النحاس والفرق بين النسخ والبداء ان النسخ تحويل العبادة من شيء الى شيء قد كان حلالًا فيحرم اَو كان حراماً فيحلل' واما البداء فهو ترک ما عزم عليه' كقولک امض الى فلان' ثم تقول لاتمض اليه' فيبدو لک العدول عن القول الاول' وهذا يلحق البشر لنقصانهم[11]

''یہود نے نسخ اور بداء کو ایک ہی چیز سمجھ کر اس کی اجازت نہیں دی ہے اور گمراہ

(۹) روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى' ج ا' ص ۳۵۲ المكتبة الرشيدية

(۱۰) الجامع لاحكام القرآن' ج ا' ص ۵۵' دار احياء التراث العربى' بيروت.

(۱۱) الجامع لاحكام القرآن' ج ۲' ص ۶۴

ہو گئے ہیں۔ نحاس کہتا ہے کہ نسخ اور بداء میں فرق یہ ہے کہ نسخ ایک حلال شے سے تحویل عبادت کا نام ہے' یعنی وہ شے پہلے حلال تھی اب حرام ہوگئی ہے یا پہلے حرام تھی اب حلال ہے' جبکہ بداء اس شے کے چھوڑنے کا نام ہے کہ جس پر انسان پہلے عزیمت کر چکا ہو' مثلاً کسی کا یہ کہنا "امض الی فلان" (فلاں کے پاس جاؤ) اور پھر اس کے بعد اپنے سابقہ قول سے رجوع کر کے یہ کہے "لا تمض الیه" (اس کے پاس نہ جاؤ) اس طرز عمل کا صدور انسانوں سے ہی ہوتا ہے ان کے نقصان (عدم کمال) کی وجہ سے"۔

علامہ زرکشی نے "البرہان فی علوم القرآن" میں لکھا ہے کہ یہود کا نسخ کو بداء کے مشابہ قرار دے کر اس کا انکار کرنا غلط ہے۔

لانہ بیان مدۃ الحکم' الا تری الاحیاء بعد الاماتة وعکسه والمرض بعد الصحة وعکسه والفقر بعد الغنی وعکسه وذلک لا یکون بداء فکذا الامر والنهی[۱۲]

"اس لئے کہ نسخ سے مراد حکم کی مدت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مار ڈالنے کے بعد زندہ کرنا اور اس کے برعکس' اور صحت کے بعد بیمار کرنا اور اس کے برعکس' اور غنی کے بعد فقر اور اس کے برعکس' اور ان کو بداء نہیں کہا جاتا' اسی طرح امر و نہی کو بھی"۔

امام فخر الدین رازی نے کلام الٰہی میں وقوع نسخ کے بارے میں یہود کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

النسخ عندنا جائز عقلا واقع سمعا خلافاً للیهود' فان منهم من انکره عقلاً ومنهم من جوزه عقلا لکنه منع منه سمعا' ویروی عن بعض المسلمین انکار النسخ' واحتج الجمهور من المسلمین علی جواز النسخ ووقوعه' لان الدلائل دلت علی نبوۃ محمد صلی الله علیه وسلم ونبوته لا تصح الامع القول بنسخ مشرع من قبله فوجب القطع بالنسخ وایضاً قلنا علی الیهود الزامان :الاول جاء فی التورۃ ان الله

(۱۲) البرهان فی علوم القرآن للزرکشی 'ج ۲'ص ۳۰' مطبع دار الفکر بیروت۔ اور یہی کچھ ان ہی الفاظ میں امام سیوطی نے بھی الاتقان میں لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: الاتقان' ج ۲'ص ۳۵

تعالیٰ قال لنوح علیہ السلام عند خروجہ من الفلک "انی جعلت کل دابۃ ما کلا لک ولذریتک ...... ما خلا الدم فلا تاکلوہ" ثم انہ تعالی حرم علی موسیٰ وعلی بنی اسرائیل کثیرا من الحیوان. الثانی : کان آدم علیہ السلام یزوج الاخت من الاخ وقد حرمہ بعد ذلک علی موسیٰ علیہ السلام (۱۳)

"نسخ ہمارے نزدیک عقلاً جائز اور سمعاً واقع ہے' بخلاف یہود کے کہ ان میں سے بعض نے اس کا عقلاً انکار کیا ہے اور بعض نے اگرچہ اس کو عقلاً جائز رکھا ہے لیکن سمعاً اس کا انکار کیا ہے' جبکہ جمہور مسلمانوں نے نسخ کے جواز اور وقوع دونوں کو تسلیم کیا ہے' کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر (بے شمار) دلائل قائم ہیں اور آپؐ کی نبوت تب ہی صحیح ہو سکتی ہے کہ اگر ماقبل کی شریعت منسوخ تسلیم کی جائے۔ لہٰذا نسخ کی صحت یقینی ہے۔ یہود کے دعویٰ (بداء) کی تردید میں امام موصوف نے دو دلائل پیش کئے ہیں: (۱) تورات میں ہے کہ طوفان نوح کے بعد کشتی سے نکلتے وقت اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ میں نے ہر حیوان کو تیرے اور تیری اولاد کے لئے حلال قرار دیا ہے سوائے خون کے' لہٰذا اسے نہ کھاؤ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر بہت سارے جانور حرام کر دیئے۔ (۲) آدم علیہ السلام بہن کی شادی بھائی سے کراتے تھے' یعنی ان کے دین میں بھائی کی بہن سے شادی جائز تھی جبکہ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر اس کو حرام قرار دیا گیا"۔

نسخ کے مفہوم میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحوں میں فرق

چونکہ نسخ کے اصطلاحی معنی تبدیلیٔ حکم کے ہیں' اور یہ تبدیلی جس طرح ایک حکم کو بالکلیہ منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم لانے میں ہے' مثلاً بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنا دینا' اسی طرح کبھی مطلق یا عام حکم میں کسی قید و شرط کو بڑھا دینا بھی ایک قسم کی تبدیلی ہے۔ اسلاف امت نے نسخ کو اسی عام معنی میں استعمال فرمایا ہے جس میں کسی حکم کی پوری تبدیلی بھی داخل ہے اور جزوی تبدیلی قید و شرط یا استثناء وغیرہ کی بھی

(۱۳) التفسیر الکبیر' الجزء الثالث للامام فخر الدین الرازی' ص ۲۳۷ مطبع دار احیاء التراث العربی' بیروت

اس میں شامل ہے۔لیکن حضرات متاخرین نے صرف اس تبدیلی کا نام نسخ رکھا ہے جس کی پہلے حکم کے ساتھ کسی طرح تطبیق نہ ہو سکے۔ چنانچہ علامہ ابن القیم لکھتے ہیں:

اکثر السلف اراد بالناسخ والمنسوخ رفع الحکم قارةً وھو اصطلاح المتاخرین ورفع دلالة العام والمطلق والظاھر وغیرھا قارةً اما بتخصیص او تقیید او حمل مطلق علی مقید وتفسیرہ وتبیینه حتی انھم یسمون الاستثناء والشرط والصفة نسخاً لتضمن ذلک رفع دلالة الظاھر وبیان المراد بغیر ذلک بل بامر خارج عنه [۱۴]

''ناسخ منسوخ سے اکثر سلف کبھی تو بالکلیہ حکم کا نسخ مراد لیتے ہیں۔متاخرین کی یہی اصطلاح ہے۔اور کبھی عام' مطلق اور ظاہر وغیرہ کی ظاہری دلالت کا ''رفع'' مراد لیتے ہیں۔اس کی چند صورتیں ہیں: عام کی تخصیص' مطلق کی تقیید یا مطلق سے مقید ہی مراد لینا۔تفسیر' تبیین حتیٰ کہ استثناء' شرط اور صفت کو بھی نسخ کہتے ہیں' کیونکہ یہ سب ظاہری دلالت کی رفع اور بیان مراد کو شامل ہوتے ہیں جو ظاہر کے ماسوا بلکہ اس سے خارج ہوتا ہے''۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بقول عہد صحابہ و تابعین میں نسخ کا تصور موجودہ تصور سے قطعی مختلف تھا۔اُس دَور میں نسخ کا اطلاق زیادہ تر لغوی معنوں میں (یعنی ایک آیت کے بعض اوصاف کا دوسری آیت سے ازالے کے لئے) ہوتا تھا۔اسی بنا پر اُس دَور میں حسب ذیل صورتوں پر نسخ کا اطلاق کیا جاتا تھا۔(۱) مدتِ عمل کی انتہاء میں تبدیلی' (۲) لفظ کے قریبی معنی کے بجائے دور کے معنی مراد لینا' (۳) کسی مطلق کو مقید کرنا' (۴) کسی عام کی تخصیص کرنا' (۵) بظاہر کسی حکم کا کسی نص پر مبنی قیاس کے خلاف دکھائی دینا' (۶) دورِ جاہلیت کی کسی رسم' یا کسی سابقہ شریعت کی کسی قانونی شق کا ابطال وغیرہ۔

نسخ کے مفہوم میں اسی وسعت کی بناء پر ابتدائی اسلامی عہد میں اس بارے میں بظاہر بڑا افراط اور غلو دکھائی دیتا ہے۔ ابتداء میں منسوخ آیات کی تعداد متعین

---

(۱۴) اعلام الموقعین للامام ابن القیم الجوزیة' ج ۱' ص ۲۹

اور محدود نہ تھی، لیکن کچھ عرصہ کے بعد قرآن مجید کی پانچ صد آیات کو منسوخ تصور کیا جانے لگا۔[(۱۵)]

اس ضمن میں بعض دلچسپ صورتیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ مثلاً ایک ہی آیت کے ابتدائی حصّے کو منسوخ اور آخری حصّے کو ناسخ قرار دیا جانے لگا۔ بعض صورتوں میں خود ناسخ کو بھی کسی اور آیت سے منسوخ کیا گیا' ایک ایک آیت سے بہت بڑی تعداد میں آیات کا نسخ، مثلاً آیت حکم قتال سے ڈیڑھ صد آیات کی منسوخی۔[(۱۶)]

جلد ہی اس رجحان کے خلاف ردِعمل پیدا ہوا اور ابو مسلم اصفہانی نے اس کی شدید مخالفت کی' لیکن اس کی مخالفت اس کے معتزلی مسلک اور شدت انکار کی وجہ سے غیر مقبول رہی' تاہم قاضی ابو بکر المعروف بابن العربی پہلے شخص ہیں جنہوں نے پانچ صد آیات کے بجائے ڈیڑھ صد آیات کو منسوخ قرار دے کر اعتدال کا ثبوت دیا۔ مگر یہ تعداد بھی کچھ زیادہ تھی اس لئے امام سیوطی نے اس پر ناقدانہ نگاہ ڈالی اور فقط بیس آیات کو منسوخ تسلیم کیا اور ان کو اشعار میں نظم کیا۔[(۱۷)]

مگر شاہ ولی اللہ نے اس میں بھی ترمیم کی اور نفیس توجیہات سے بیس میں سے پندرہ آیات کو قابل عمل اور فقط پانچ آیات کو منسوخ تسلیم کیا۔[(۱۸)]

بعد ازاں مفتی محمد عبدہ اور ان کے مکتب فکر کے فضلاء نے اس میں مزید ترمیم کی اور کہا کہ نسخ عملاً و شرعاً ثابت ضرور ہے مگر صرف ان چند مقامات میں کہ جہاں صراحت سے پرانے حکم کا ذکر کر کے اسے منسوخ ٹھہرایا گیا ہے۔[(۱۹)]

---

(۱۵) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی' ص ۱۸'۱۹' مطبوعہ لاہور' ومباحث فی علوم القرآن دکتور صبحی صالح' ص ۲۶۳ و ما بعد

(۱۶) دیکھئے هبة الله بن سلامه ' ص ۸۵ و ۱۲۵۔ الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی' ج ۲' ص ۲۱' ۲۲۔ مباحث فی علوم القرآن ' ص ۲۶۴ و ۲۶۵

(۱۷) الاتقان ' ج ۲' ص ۲۸

(۱۸) الفوز الکبیر ' ص ۱۸'۱۹

(۱۹) تفسیر المنار: ج ۲' ص ۱۵ تا ۱۵۷۔ تاریخ التشریع الاسلامی محمد الخضرمی

نسخ کا محل وقوع

واقعات و حکایات یا عقائد (اصول دین) وغیرہ میں نسخ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نسخ ہمیشہ احکام میں ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ زرکشی ''البرہان فی علومِ القرآن'' میں لکھتے ہیں:

الجمهور على انه لا يقع النسخ الا فی الامر والنهی وزاد بعضهم الاخبار' واطلق' وقيدها آخرون بالتی يراد بها الامر والنهی[۲۰]

''جمہور علماء کے نزدیک نسخ کا وقوع صرف امر و نہی میں ہوتا ہے۔ بعض علماء اخبار میں بھی نسخ کے قائل ہیں۔ پھر کچھ مطلق خبر میں نسخ کے قائل ہیں اور بعض علماء اس خبر میں نسخ کے قائل ہیں جس سے مراد امر و نہی ہو''۔

علامہ سیوطی الاتقان میں لکھتے ہیں:

لا يقع النسخ الا فی الامر والنهی ولو بلفظ الخبر' اما الخبر الذی ليس بمعنى الطلب فلا يدخله النسخ ومنه الوعد والوعيد......[۲۱]

''نسخ کا وقوع صرف امر اور نہی میں ہوتا ہے خواہ یہ امر و نہی لفظ خبر کے ساتھ وارد ہوں ...... مگر جو خبر طلب (انشاء) کے معنی میں نہیں ہوتی اس میں نسخ کبھی داخل نہیں ہوتا اور وعدہ وعید اسی قبیل سے ہیں''۔

جن علماء نے اخبار میں نسخ کا قول اختیار کیا ہے ان پر رد کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اعلم انه قد يرد فی الشرع اخبار ظاهرها الاطلاق والاستغراق' ويرد تقييدها فی موضع آخر فيرتفع ذلک الاطلاق' كقوله تعالٰى ﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ فهذا الحكم ظاهره خبر عن اجابة كل داع على كل حال لكن قدجاء ما قيده فی موضع آخر كقوله : ﴿فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاءَ﴾ فقد يظن من لا بصيرة عنده ان هذا من باب النسخ فی الاخبار وليس

(۲۰) البرهان فی علوم القرآن' ج۲' ص۳۲

(۲۱) الاتقان فی علوم القرآن' ج۲' ص۲۵

كذلك بل هو من باب الاطلاق و التقييد(۲۲)

''جان لو! کہ شریعت میں کبھی ایسے اخبار وارد ہوتے ہیں جن کے ظاہری مفہوم میں اطلاق اور شمول ہوتا ہے لیکن کسی اور موقع پر اس اطلاق وشمول کو مقید کر دیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح اس کا اطلاق ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ اس آیت کریمہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دعا مانگنے والے کی دعا ہر حال میں قبول کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے مقام پر اس کو مقید کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد گرامی ہے: ﴿فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَاءَ﴾ ''تم جس دکھ کے لئے اسے پکارتے ہو وہ اگر چاہتا ہے تو اس کو دور کر دیتا ہے''۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر کم عقل لوگ اس کو اخبار میں نسخ سمجھنے لگتے ہیں' حالانکہ ایسا نہیں ہے' بلکہ یہ تو اطلاق وتقیید کے باب میں سے ہے''۔

ناسخ ومنسوخ کے اعتبار سے نسخ کی اقسام

نسخ کی متعدد اقسام ہیں: (۱) قرآن کا قرآن سے (۲) حدیث کا حدیث سے (۳) حدیث کا قرآن سے (۴) قرآن کا حدیث سے منسوخ ہونا۔ ان میں سے اوّل الذکر تین صورتیں قریب قریب متفق علیہ ہیں جبکہ مؤخر الذکر صورت مختلف فیہ ہے۔ امام شافعیؒ نے مشہور قول کے مطابق' اس کی مخالفت کی ہے۔(۲۳)

تاہم احناف' مالکیہ اور بعض شوافع اور خود امام شافعی کے دوسرے قول کے مطابق یہ قول بھی درست ہے' کیونکہ دونوں کا منبع ایک ہی ہے' مگر اس کے لئے خبر متواتر کا ہونا ضروری ہے۔(۲۴)

علامہ زرکشی ''البرہان'' میں لکھتے ہیں:

واختلف في نسخ الكتاب بالسنة' قال ابن عطية' حذاق الامة على الجواز' وذلك موجود في قوله صلى الله عليه وسلم : ((لاَ وَصِيَّةَ

(۲۲) الجامع لاحکام القرآن' ج ۲' ص ۶۵

(۲۳) الرسالة' ص ۱۳۷ تا ۱۶۴

(۲۴) المستصفى للغزالی' ج ۱' ص ۱۲۴ تا ۱۲۶۔ تفسیر المنار: رشید رضا' ج ۲' ص ۱۵۴

لِوَارِثٍ)) وابی الشافعی ذلک' والحجة علیه من قوله فی اسقاط الجلد فی حد الزنٰی عن الثیب الذی رجم' فانه لا مسقط لذلک الا السنة فعل النبی صلی الله علیه وسلم[۲۵]

''قرآن کا حدیث سے نسخ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بقول ابن عطیہ امت مسلمہ کے ماہرین علم اس کے جواز کے قائل ہیں' کیونکہ نسخ کی یہ صورت حضور ﷺ کے اس ارشادگرامی ((لاَ وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ)) میں بالفعل موجود ہے۔ امام شافعیؒ نے اس صورت نسخ کا انکار کیا ہے اور ان پر حجت شادی شدہ زانی سے حد زنا میں جلد (سوکوڑے) کا اسقاط ہے اور اس کا مسقط سوائے سنت (عمل نبوی ﷺ) کے اور کوئی نہیں ہے''۔

اور امام قرطبی الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں:

وحذاق الائمة علی ان القرآن ینسخ بالسنة وذلک موجود فی قوله علیه السلام ((لاَ وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ)) وابی ذلک الشافعی وابوالفرج المالکی' والاول اصح بدلیل ان الکل حکم اللّٰہ تعالٰی ومن عنده وان اختلفت فی الاسماء' وایضاً فان الجلد ساقط فی حد الزنی عن الثیب الذی یرجم' ولا مسقط لذلک الا السنة فعل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم[۲۶]

''اور امت کے ماہرین وعلماء ''قرآن کا حدیث سے نسخ'' کے جواز کے قائل ہیں اور اس کی مثال حضور ﷺ کا ارشاد ((لاَ وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ)) ہے، جبکہ امام شافعی اور ابوالفرج المالکی نے اس کا انکار کیا ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ ہر دو (قرآن وسنت) من جانب اللہ اور اسی کا حکم ہیں، اگرچہ ان کے نام مختلف ہیں۔ نیز شادی شدہ زانی سے حد زنا میں جلد (کوڑے مارنے کا حکم) ساقط ہے اور مسقط سوائے سنت (عمل نبوی ﷺ) کے اور کوئی نہیں ہے۔''

امام شافعی کا مسلک اور ان کے دلائل بالتفصیل بیان کرتے ہوئے امام فخرالدین رازی اپنی تفسیر ''التفسیر الکبیر'' میں لکھتے ہیں:

---

(۲۵) البرهان فی علوم القرآن' ج ۲' ص ۳۲

(۲۶) الجامع لاحکام القرآن' ج ۲' ص ۶۵' ۶۶

قال الشافعی رضی الله عنه : الکتاب لا ینسخ بالسنة المتواترة واستدل علیه بهذه الأیة ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾ من وجوه. احدها : انه تعالی اخبر ان ما ینسخه من الأیات یات بخیر منها وذلک یقید انه یاتی بما هو من جنسه .... واذا ثبت انه لا بد وان یکون من جنسه فجنس القرآن قرآن. ثانیها : ان قوله تعالٰی :﴿ نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا﴾ یفید انه هو المنفرد بالاتیان بذلک الخیر، وذلک هو القرآن الذی هو کلام الله دون السنة التی یاتی بها الرسول. ثالثها : ان قوله ﴿ نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا ﴾ یفید ان الماتی به خیر من الایة، والسنة لا تکون خیراً من القرآن. رابعها : انه قال : ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ دل علی ان الاتی بذلک الخیر هو المختص بالقدرة علی جمیع الخیرات وذلک هو الله تعالٰی[۲۷]

''امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ کی نسخ سنت متواترہ سے جائز نہیں۔اور دلیل میں انہوں نے آیت (مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ......) کو پیش کیا ہے۔اس آیت کریمہ سے انہوں نے کئی وجوہ سے استدلال کیا ہے: (۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالٰی نے بتایا ہے کہ وہ جن آیات کو منسوخ کرتا ہے تو ان سے بہتر آیات لے آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ بہتر آیت (ناسخ) اس کی (منسوخ) جنس سے ہوتا ہے۔اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ناسخ کا منسوخ کی جنس سے ہونا لازمی ہے تو پھر قرآن کا جنس قرآن ہی ہے۔(۲) آیت ﴿نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خیر (ناسخ) کا لانے والا صرف وہی ہوگا اور وہ ہے قرآن جو کہ اللہ کا کلام ہے نہ کہ سنت، جس کا لانے والا اللہ نہیں رسول ہے۔ (۳) آیت ﴿نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناسخ منسوخ سے بہتر ہوگا۔اور یہ تو معلوم ہے کہ سنت قرآن سے بہتر نہیں۔(۴) آیت ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ o﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ کا لانے والا وہ ذات ہے جس کو خیر کی ہمہ اقسام پر مخصوص قدرت حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ وہ صرف اللہ کی ذات ہے''۔

(۲۷) التفسیر الکبیر للامام فخر الدین رازی، ج۲، ص ۲۴۱، ۲۴۲ مطبع دار احیاء التراث العربی بیروت، سن طباعت ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم امام رازی کے وہ جوابات بھی نقل کر دیتے جو انہوں نے جمہور علماء کی طرف سے امام شافعی کو دیئے ہیں۔ نیز جمہور علماء کے پیش کردہ دلائل کے وہ جوابات بھی تحریر کر دیتے جو امام موصوف نے امام شافعی کی طرف سے جمہور علماء کو دیئے ہیں۔ شائقین خود ہی مطالعہ فرما لیں۔

بعض علماء احناف نے خبر مشہور اور خبر واحد سے' جبکہ اس کے راوی ثقہ اور ضابط و عادل ہوں' جواز نسخ کو تسلیم کیا ہے۔ (۲۸)

امام قرطبی اس بارے میں لکھتے ہیں:

والحذاق علی تجویز نسخ القرآن بخبر الواحد عقلاً' واختلفوا ھل وقع شرعاً' فذھب ابو المعالی وغیرہ الی وقوعه فی نازلة مسجد قباء ...... وابی ذلک قوم (۲۹)

''ماہرین علم خبر واحد کے ذریعے قرآن مجید کے نسخ کو عقلاً تو جائز کہتے ہیں، لیکن کیا وہ شرعاً واقع بھی ہے، اس بارے میں ان کا اختلاف ہے۔ ابوالمعالی وغیرہ علماء کے نزدیک شرعاً اس کا وقوع بھی ہوا ہے اور مثال میں مسجد قباء کا واقعہ پیش کرتے ہیں، جبکہ دیگر علماء اس کا انکار کرتے ہیں''۔

فقہاء احناف اور ابوالمعالی وغیرہ علماء کے علاوہ دیگر مسالک فقہ نے بر بناء احتیاط اس کو قبول نہیں کیا۔ اگر دقت نظر سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دونوں مسالک کا یہ اختلاف فقط تعبیر کا اختلاف ہے۔ احناف نے جس قسم کے نسخ کو خبر مشہور یا خبر واحد سے جائز قرار دیا ہے وہ عرفی نسخ (ابطال وازالہ) نہیں بلکہ نسخ بالمعنی الخاص (یعنی کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید) ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی قرآنی آیت کے مجمل مفہوم کو کسی صحیح حدیث سے معین کر دیا جائے' مثلاً قرآن حکیم میں مطلقاً چوری کے ارتکاب پر قطع ید کی سزا کا حکم ہے: ﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

(۲۸) فواتح الرحموت' شرح مسلم الثبوت' ج ۲' ص ۸

(۲۹) الجامع لاحکام القرآن' ج ۲' ص ۶۵' ۶۶

خدا سے منحرف مغربیت: دجالی تہذیب کا بدترین مظہر

ریاض الحسن نوری ☆

حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری

حامداً مصلیاً۔قرارداد مقاصد جواَب آئین کا حصّہ بن چکی ہے' اس کے مطابق تمام کائنات پر خدا کی حاکمیت ہے۔ اور حکومت کو عوام جو اتھارٹی دیتے ہیں اسے حکومت خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہی استعمال کرسکتی ہے اور جو ایک مقدس امانت ہے۔ مزید یہ کہ عوام کو اپنی ذاتی واجتماعی زندگیاں قرآن وسنّت کے مطابق گزارنے کے قابل بنایا جائے گا۔ عدلیہ کو مکمل آزادی حاصل رہے گی۔

مذکورہ بالا شرائط کو مزید قوی اور یقینی بنانے کے لئے صدر اور وزیر اعظم حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ قرآن وسنّت کی تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ اسلامی نظریہ کو قائم رکھیں گے جس کی بنیاد پر پاکستان بنایا گیا ہے۔

قرارداد مقاصد کے مذکورہ بالا حلف نامے صدر اور وزیر اعظم کو پابند کرتے ہیں کہ وہ قرآن وسنّت کو ہی بالاترین قانون جانتے اور اسی پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی انسانی بنائے ہوئے قانون کو قرآن وسنّت کے مقابلے میں کچھ نہیں سمجھتے۔

اقبال' نواب بہادر یار جنگ وقائداعظم کے اعلانات

علامہ اقبال نے قرآن کو سپر اور حقیقی آئین قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''درمعنی ایں کہ نظامِ ملت غیر از آئین صورت نہ بندد وآئین ملت محمدیہ قرآن است''

(ترجمہ: آئین کے بغیر گزارہ نہیں اور ملت محمدیہ کا آئین قرآن ہے۔)

☆ مشیر وفاقی شرعی عدالت وریسرچ سکالر رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

نواب بہادر یار جنگ نے جو ہندوستان (سابقہ) کی تمام ریاستوں کی مسلم لیگوں کے صدر تھے' قائداعظم کی صدارت میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے قائد اعظم کئی مرتبہ اعلان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کا آئین قرآن ہے اور مسلمانوں کی کسی حکومت کو آئین بنانے کا حق نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ (1)

قائداعظم کا اعلان: اطاعت کا مرجع پارلیمان نہیں بلکہ خدا ہے

اسلامی حکومت میں وفاکیشی' اطاعت کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ اس لئے تعمیل کا مرکز قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی' نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول کی حکمرانی ہے۔ (2)

ابوداؤد کی حدیث 2627 میں ہے کہ لشکر کی واپسی پر حضور ﷺ نے سختی سے ڈانٹا کہ تم اس سے عاجز کیوں رہے کہ اگر میرے مقرر کردہ امیر نے سنت پر پورا عمل نہیں کیا تو اسے ہٹا کر دوسرا امیر خود مقرر کر لیتے۔

قائداعظم کا اعلان کہ قرآن مسلمانوں کا مذہبی' سوشل' سول' کمرشل' ملٹری' جوڈیشل' کریمنل غرضیکہ ہر قسم کا پینل بھی ہے

قائداعظم نے گبن کا حوالہ دے کر مذکورہ بالا حقیقت بیان کی تاکہ واضح ہو جائے کہ غیر مسلم تاریخ دانوں کے نزدیک بھی یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے۔ بقول گبن اور بقول قائداعظم قرآن سول' کریمنل قانون کا بنیادی کوڈ ہے!

The Musalmans are realizing more and more their responsibility in every direction. Every Musalman knows that the injunctions of the Quran are not confined to religious and moral duties. "From the Atlantic to the Ganges," says Gibben,

"the Quran is acknowledged as the fundamental code, not only of theology, but of civil and criminal Jurisprudence, and the laws which regulate the actions and the property of mankind are governed by the immutable sanctions of the will of God." Everyone, except those who are ignorant, knows that the Quran is the general code of the Muslims. A religious, social, civil, commercial, military, judicial, criminal, penal code. it regulates everything from the ceremonies of religion to those of daily life; from the salvation of the soul to the health of the body; from the rights of all to those of each individual; from morality to crime from punishment here to that in the life to come and our Prophet has enjoined on us that every Musalman should possess a copy of the Quran and be his own priest. Therefore Islam is not merely confined to the spiritual tencta and doctrines or rituals and ceremonies. It is a complete code regulating the whole Muslim society, every department of life, collective and individually.[3]

قرآن کے قانون کو معطل رکھنا قائد اعظم، پاکستان، اسلام اور خود حاکم مطلق (خدا) سے بغاوت ہے۔ قرآن میں وحی منزلہ کے مطابق فیصلے نہ کرنے کو کفر، ظلم، فسق قرار دیا گیا ہے۔ طرہ یہ کہ صدر و وزیر اعظم حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ حلف سچا ہوتا ہے یا جھوٹا؟ جب خود ساورن یعنی خدا کے اپنے الفاظ میں ہر قسم کا بنیادی کوڈ موجود ہے تو انسانوں کا کوڈ بنانا شرک ہی قرار دیا جائے گا۔ اقبال نے اپنے لیکچروں کی کتاب میں تسلیم کیا ہے کہ بنی امیہ کے آخر دور تک لکھا ہوا قانون قرآن ہی تھا۔ یعنی احادیث جو قرآن کی خدا کی طرف تسلیم کردہ شرح و تفسیر ہیں وہ

با قاعدہ مدون نہ ہوئی تھیں۔

مہاتما بدھ کی پیشین گوئی

آئندہ ایک بے مثال عظیم بدھ آئے گا' وہ مکمل مذہب بتائے گا' اس کی پہچان یہ ہوگی کہ اس کی شہرت ''رحمت'' نام سے ہوگی۔(4)

قائداعظم کے آخری کلمات

قائداعظم کے معالج ڈاکٹر ریاض علی شاہ لکھتے ہیں :ایک بار دوا کے اثرات دیکھنے کے لئے ہم ان کے پاس بیٹھے' میں نے دیکھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں' لیکن ہم نے بات چیت سے منع کر رکھا تھا۔ اس لئے الفاظ لبوں پر آ کر رک جاتے ہیں۔ اس ذہنی کشمکش سے نجات دلانے کے لئے ہم نے خود انہیں دعوت دی تو وہ بولے : ''تم جانتے ہو جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے! یہ مشکل کام تھا اور میں اکیلا اسے کبھی نہ کر سکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسولِ خدا کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا۔ اب یہ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافتِ راشدہ کا نمونہ بنائیں تا کہ خدا اپنا وعدہ پورے کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔ پاکستان میں سب کچھ ہے' اس کی پہاڑیوں' ریگستانوں اور میدانوں میں نباتات بھی ہیں اور معدنیات بھی۔ انہیں تسخیر کرنا پاکستانی قوم کا فرض ہے۔ قومیں نیک نیتی' دیانت داری' اچھے اعمال اور نظم وضبط سے بنتی ہیں اور اَخلاقی برائیوں' منافقت' زر پرستی اور خود پسندی سے تباہ ہو جاتی ہیں......(5)

قائداعظم نے گاندھی کو خود اس کا قول یاد دلایا کہ جو کام گاندھی کرتا ہے اور جو اس کی زندگی کا مقصد ہے وہ سیاسی یا سوشل نہیں' بلکہ خالص مذہبی ہے۔ گاندھی کے نام خط کے الفاظ یوں تھے:

> *Today you deny that religion can be a main factor in determining a nation, but you yourself, when asked what your motive in life was, the thing that*

leads us to do what we do, whether if was religious, or social, or political, said : "Purely religious".[6]

حضرت علیؓ کا قول فیصل اور شیعہ بھائیوں کے نظریات

شیعہ بھائیوں کی کتاب نہج البلاغہ کی شرح ابن ابی الحدید جلد اوّل میں قرآنی آیات کے حوالے دینے کے بعد کہا گیا ہے کہ:

فھذہ الایات دالة علی اشتمال الکتاب العزیز علی جمیع الاحکام فکل ما لیس فی الکتاب فوجب الا یکون فی الشرع (صفحہ:۲۹۰)

یعنی "یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن میں تمام احکامات موجود ہیں۔ پس جو بات قرآن میں موجود نہیں اس کو شرع یعنی قانون کا حصہ نہیں کہا جا سکتا"۔

عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں کہ:

ان اولی الامر منالا یملکون حق التشریع و انما لھم حق حق التنفیذ او التنظیم' فالتشریع من حق اللّٰہ و الرسول

"اولی الامر یعنی حکام کو قانون بنانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ اور رسول کا حق ہے"۔

اس کتاب کا جو ایڈیشن ایران میں چھپا ہے اس کے حاشیہ میں شیعہ عالم اس قول کی یوں وضاحت کرتے ہیں کہ: بل من حق اللہ وحدہ و الرسول (ﷺ) ناقل لہ۔ یعنی "بلکہ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ رسول ﷺ تو اللہ سے نقل کرنے والے ہیں اور حکام کو محض تنفیذ اور تنظیم کا حق ہے"۔[7]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت کی پہلی تقریر میں کہا کہ "سن لو! میں قانون بنانے والے نہیں ہوں' لیکن قانون خداوندی کو نافذ کرنے والا ہوں' میں نئی بات نکالنے والا نہیں ہوں بلکہ قانونِ خداوندی کو نافذ کرنے والا ہوں"۔[8] یہی بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بعد پہلی تقریر میں کہی۔[9]

پس ہم دیکھتے ہیں کہ خلفاء نے نئے قانون نہیں بنائے' بلکہ نئی بات کا اشارہ بھی

ایک بوڑھی خاتون کی ناراضگی کا سبب بنا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ مہر کی بڑی بڑی رقمیں باندھنا اچھا نہیں۔ یہ تقریر سن کر ایک بوڑھی عورت کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی کہ تم کس طرح یہ بات کہتے ہو جبکہ خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ اگر تم نے کسی عورت کو مہر میں روپیوں کا ڈھیر بھی دیا ہو تو اسے واپس مت لو!

قرآنی آیات کے حوالے سے تفسیر المنار، جلد 8 صفحہ 99 پر ہے کہ قانون سازی صرف خدا کا حق ہے۔ سید سلیمان ندوی نے سیرت النبیؐ کی ساتویں جلد میں بڑی مفصل اور مدلل بحث میں ثابت کیا ہے کہ انسانوں کی قانون سازی شرک ہے۔ (10)

پرویز کے استاد اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کی بنیاد کتاب و سنت پر تھی۔ خلیفہ صرف احکام دینیہ کو نافذ کرنے کا مجاز تھا۔ بیعت کے وقت خلیفہ سے شرط لی جاتی تھی کہ وہ کتاب وسنّت پر عمل کرے گا (11)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہؓ نے اپنی پہلی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ تم میرے حکم اسی وقت تک مانو جب تک میں خدا کے احکام پر چلتا ہوں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو تمہارے لئے میرے احکام ماننا ضروری نہیں ہے (12)۔

قرآن کے اعلانات

﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ﴾ (الرعد: ٤١)

''اللہ حکم دیتا ہے اور کوئی اس کے احکام پر نظر ثانی کرنے والا نہیں''۔

﴿لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖ أَحَدًا﴾ (الکہف: ٢٦)

''وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔

حکم سارا کا سارا اسی کا چلے گا۔ (آل عمران: ۱۵۴) ''حکم اسی کا ہے'' (القصص: ۷۰) ''حکم خدا کے سوا کسی کا نہیں'' (الانعام: ۵۷) ﴿لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ ''پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے''۔ (الانعام: ۵۴) ''تمام احکام اسی کی طرف لوٹتے ہیں''۔ (ہود: ۱۲۳) ''اگر اختلاف ہو تو اسے خدا اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو''۔ (النساء: ۵۹) یعنی قرآن و حدیث کی طرف۔ ''جو وحی منزلہ کے

مطابق حکم نہ کریں وہی کافر ہیں...... ظالم ہیں...... فاسق ہیں'' (المائدہ: ۴۴'۴۵'۴۶)
یہ آیات بڑی اہم ہیں اور قرآن نے صاف کافر کا نام دے دیا ہے۔ مگر ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ کفر تو ہے مگر کم درجہ کا کفر ہے۔ چنانچہ ہم وحی منزلہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو ملت سے خارج قرار نہیں دے سکتے (کتاب الایمان مؤلفہ ابن تیمیہ) ان کا فسق، ظلم اور کفر جس درجہ کا بھی ہو' قرآن (یعنی جس پر ایمان کا حلف اٹھاتے ہیں) میں مذکور ہے۔

قرآنی احکام سُپر ہیں

انسانی الفاظ خدا و رسول کے الفاظ کا نہ مقام لے سکتے ہیں نہ اس سے بہتر ہو سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام مالک نے ہارون رشید کو اس بات کی اجازت نہ دی کہ ان کی مؤطا کو حکومت کا سرکاری قانون بنایا جائے۔ خلیفہ کا حکم ہو یا پارلیمنٹ کا پاس کردہ کوئی حکم ہو' اس پر حکومت بقول قائداعظم قرآن یعنی بنیادی کوڈ کو حاصل رہے گی یعنی سپرلاء پھر بھی قرآن و سنّت ہی کا قانون ہوگا بلکہ سرکاری افسروں کو اجازت ہوگی کہ حکمرانوں کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کریں اگر وہ قرآن کے مطابق نہ ہو اور اس کی بجائے قرآنی حکم پر عمل کریں۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دور کا واقعہ ملاحظہ ہو۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں زیاد نے حضرت حکم بن عمرو غفاری کو خراسان کا گورنر بنانا چاہا' انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور نہایت ایمان داری اور سچائی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دینے لگے' لیکن جب کبھی اسلامی اصول اور حکومت کے اصول میں تعارض ہو جاتا تو حکم حکومت کے اصول کو ٹھکرا دیتے۔ خراسان کی گورنری کے زمانے میں کسی جنگ میں بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا' زیاد نے لکھ بھیجا کہ امیر المؤمنین کا فرمان آیا ہے کہ سونا چاندی ان کے لئے محفوظ کر لیا جائے' اس لئے سونا چاندی لوگوں میں تقسیم نہ کرنا۔ چونکہ یہ حکم اسلامی اصول کے خلاف تھا' اس لئے انہوں نے نہایت صاف جواب لکھا: ''السلام علیک' امابعد! تمہارا خط جس میں تم نے امیر المؤمنین کے حکم کا حوالہ دیا ہے' ملا' لیکن امیر المؤمنین کے مکتوب سے قبل مجھ کو اللہ کی کتاب مل چکی ہے

(یعنی مالِ غنیمت میں عام مجاہدین کا بھی حصّہ ہے) خدا کی قسم! اگر کسی بندہ کو آسمان و زمین گھیر لیں اور وہ خدا سے ڈرتا ہو تو وہ اس کی رہائی کا کوئی نہ کوئی ضرور سامان کر دے گا'' (یعنی اس عدول حکمی پر جو عین حکم خدا کے مطابق ہے' مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ جواب لکھ کر مجاہدین کو حکم دیا کہ اپنا اپنا حصّہ لے لو[13]۔

تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ غالباً یہ مسئلہ یوں تھا کہ مالِ غنیمت میں سے 4/5 حصّہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور 1/5 حصّہ بیت المال میں داخل کیا جاتا تھا۔ اب چونکہ خزانہ میں سونا چاندی کی ضرورت رہتی ہے اس لئے امیر معاویہؓ نے چاہا کہ بیت المال کا 1/5 حصّہ تمام کا تمام سونا چاندی کی صورت میں لے لیا جائے تا کہ آسانی رہے' ورنہ انہوں نے خزانہ کے لئے مقرر مقدار سے زیادہ کا مطالبہ ہرگز نہ کیا تھا۔ لیکن اس کو بھی گورنر حکم بن عمرو غفاری نے منظور نہ کیا' کیونکہ یہ اس طریقہ کے خلاف تھا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین کے دور میں جاری رہا تھا۔

اگر زمانہ جنگ میں فوجی حکمرانی ہو' دوسرے لفظوں میں مارشل لاء لگ جائے تب بھی سپریم قانون شریعت کا ہی چلے گا۔ اس بات کے ثبوت میں بیرسٹر علامہ اقبال نے خلافتِ ترکی کے آخری دور کو یوں نظم کیا ہے۔ (مختصراً)

محاصرۂ ادرنہ

آخر امیر عسکر ترکی کے حکم سے — ''آئین جنگ'' شہر کا دستور ہو گیا
ہر شے ہوئی ذخیرۂ لشکر میں منتقل — شاہیں گدائے دانہ عصفور ہو گیا
لیکن فقیہہ شہر نے جس دم سنی یہ بات — گرما کے مثل صاعقہ طور ہو گیا
''ذمی کا مال لشکر مسلم پہ ہے حرام'' — فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
چھوتی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج — مسلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

(جاری ہے)

حواشی

1) شریف الدین پیر زادہ : فاؤنڈیشنز آف پاکستان' آل انڈیا مسلم لیگ ڈاکومینٹس

(1906۔1947ء) جلد دوم' ص485: مطبوعہ نیشنل پبلشنگ ہاؤس' کراچی' ڈھاکہ
2) رہبر دکن 19/اگست 1941ء بحوالہ گفتار قائداعظم' ص362' مطبوعہ قومی کمیشن برائے تاریخ وثقافت' اسلام آباد 1967ء

3) Speeches and Writings of Mr. Jinnah, collected by Jamil-ud-din Ahmed Vol.II, Published by Sh.Muhammad Ashraf 1965, pp.-208,209 Voll II

4) دی گاسپل آف بدھا' ص245۔ مطبوعہ اوپن کورٹ پباشنگ کمپنی لندن' 1917ء
5) روزنامہ جنگ' 11/ستمبر 1988ء
6) : Speeches and Writings of Mr. Jinnah مرتبہ جمیل الدین احمد' مطبوعہ شیخ اشرف 1968ء' صفحات 132' 133۔
7) التشریع الجنائی' ج 1' ص 290' مطبوعہ ایران
8) طبقات ابن سعد' ج5' ص340' مطبوعہ بیروت
9) البدایہ والنہایہ' ج 6' ص 301' 303
10) دیکھئے تفصیل' روزنامہ جنگ 28 دسمبر 1997ء
11) تاریخ الامت' ج 2' ص257' 258
12) البدایہ والنہایہ' ج6' ص301' 303
13) شاہ معین الدین' سیر صحابہ' ج7 ص47 بحوالہ طبقات ابن سعد' ج7' ص29

بقیہ: النسخ فی القرآن

کَسَبَا...... ﴾ قطع ید کے لئے چوری کے نصاب کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس قرآنی حکم کو دس درہم کی مقدار میں ارتکاب سرقہ تک محدود کر دیا ہے۔ اسی طرح نصابِ زکوٰۃ کی وضاحت احادیث نبوی میں ہی ملتی ہے۔ تخصیص و تعیم اور مطلق و تقیید کی صورت چونکہ تمام مسالک کے نزدیک مسلم ہے اس لئے یہ اختلاف صرف طرز بیان کا اختلاف ہے۔

(جاری ہے)

علاوہ جو بھی نظامِ حکومت ہوگا وہ فریب' دھوکہ' مکاری اور انسان آزاری ہے۔ نوعِ انسانی کی اجتماعیت میں نظم پیدا کرنے کے لئے حقیقی فلاح و بہبود پر مبنی نظام صرف قرآنِ حکیم ہی عطا کرتا ہے۔ باقی انسان کے بنائے ہوئے تمام نظام محض آدم فریبی ہے۔ بنی آدم کے حق میں صرف وہی حکومت رحمت و برکت کا موجب بن سکتی ہے جس کی بنیاد قرآنی فقر پر رکھی گئی ہو۔ قرآنی فقر یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کی بقا کے اعتبار سے اپنے آپ کو صرف اللہ کے فضل و کرم کا محتاج سمجھے۔ یعنی اگر میں باقی ہوں تو باقی باللہ ہوں۔ دنیا و مافیہا سے بے نیازی کی کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان ماسوا اللہ سے مکمل قطعِ نظر کر کے اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔

فقر کی ماہیت کیا ہے ۔

فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل ندیدم جز بذکر

ذکر (وحی الٰہی) کے بغیر فکرِ انسانی مرتبۂ کمال کو نہیں پہنچ سکتی' یعنی جذبۂ عشقِ الٰہی کے بغیر عقل ہمیشہ ناقص رہے گی۔ مغرب کی مادہ پرستانہ فکر ذکر سے خالی رہنے کی وجہ سے بنی نوع انسان کی تباہی کا سبب بن گئی ہے اور انسان کا گوشت نوچنا اور خون چوسنا اس کی حکمتِ عملی ہے۔ دوسری طرف عمر فاروقؓ کی فکر باذکر تھی اس لئے ۲۲ لاکھ مربع میل رقبہ کی حکومت کے باوجود کرتہ کو بارہ بارہ پیوند لگائے ہوئے ہیں۔ دُنیا کے عیش و عشرت سے بے نیازی ذکر ہی کا فیض تھا۔ ذکر کی عملی تاثیر کیا ہے' اس کے بارے میں علامہ اسی مضمون کے تسلسل میں لکھتے ہیں ۔

ذکر ذوق و شوق را دادن ادب
کارِ جاں است ایں نہ کارِ کام و لب

فارسی زبان میں ادب دادن کا مطلب To keep the things in order یعنی ترتیب دینا' کسی چیز کو اپنے اصل مقام پر رکھنا ہے۔ انسان کے اندر ذوق و شوق یعنی محبت ایک فطری جذبہ ہے۔ محبت کرنا انسان کی فطرت ہے۔ ذکر سے انسان کو محبت کی

سمت (direction) مل جاتی ہے کہ کس سے محبت کی جائے۔ محبت کے اسی فطری جذبہ کے تحت انسان اپنے والدین سے محبت کرتا ہے' اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے' دوست واحباب' اساتذہ سے محبت کرتا ہے۔ اپنے وطن' مال ودولت' جاہ وجلال سے محبت کرتا ہے۔ مگر قرآن نے مؤمن لوگوں کی تعریف یہ کی ہے کہ ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ یعنی ایمان کی دلیل اور نشانی بھی اللہ کے ساتھ شدید محبت ہے۔ غیر اللہ کی محبت انسان کو غلط راستہ پر گامزن کر دیتی ہے اور اس سے دنیا میں فساد پھیلتا ہے۔ جنگِ عظیم اوّل اور دوم میں کروڑوں انسانوں کی ہلاکت کی اصل وجہ زر و زمین کی محبت ہی تھی۔ آج یورپی اقوام کی سرمایہ سے پرستش کی حد تک محبت نے اسے شرفِ انسانی کے وصف سے محروم کر دیا ہے۔ ذکرِ الٰہی سے خالی فکر نے سودی کاروبار کے ذریعے دنیا کے ہر انسان کی روٹی کے ہر نوالے میں مغرب کے درندوں کو شریک کر لیا ہے۔ فقرِ قرآنی سے محروم نظامِ زندگی ظلم اور استحصال کے سوا کچھ بھی نہیں۔ نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کی ضمانت صرف اور صرف قرآنی نظامِ حیات میں ہے' کیونکہ یہ مادی حرص ولالچ سے کلی طور پر بے نیاز ہستی کا دیا ہوا نظام ہے:

وحیٔ حق بینندۂ سودِ ہمہ
در نگاہش سود و بہبودِ ہمہ

ذکرِ الٰہی تمام انسانی جذبات بالخصوص جذبۂ محبت کی صحیح طریق پر تربیت کرتا ہے۔ انسان کی سب سے زیادہ محبت اپنے پروردگار سے ہو گی اور باقی تمام محبتیں اس کے ذیل میں آئیں گی۔ مگر اس ترتیب کے برعکس جو شخص خدا کے علاوہ کسی اور سے محبت کرتا ہے وہ گویا اپنے جذبۂ محبت کا غلط استعمال کرتا ہے' بلکہ اسے ضائع کرتا ہے۔ پس ذکر (عشقِ الٰہی) ہی وہ قوت ہے جو ذوق وشوق (جذبۂ محبت) کو صحیح راستہ پر ڈال سکتی ہے۔ ذکر دراصل جذباتِ انسانی کا حقیقی معلم ہے۔ اس میں یہ تاثیر ہے کہ اس جذبہ کی نگہداشت کر سکے تاکہ جذباتِ انسانی کو غیر اللہ کی محبت میں ضائع نہ کرے۔ جو شخص اپنے جذبات کا صحیح استعمال نہیں کرے گا وہ مقصدِ حیات سے ہمکنار نہیں ہو سکے گا۔

ذکر (محبتِ الٰہی) کا تعلق محض زبان سے نہیں بلکہ عمل سے ہے۔ یعنی عشقِ حقیقی دراصل کارِ جاں ہے نہ کہ محض کارِ زباں۔ محض زبان سے محبت کا دعویٰ' جب تک عمل اس کی تصدیق نہ کرے' نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا۔ ذکر چند الفاظ کی لفاظی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے پرتو کی کیفیت انسانی شخصیت میں ظاہر ہونے کا نام ہے۔ جب ہم لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو یہ محض چند الفاظ کی ادائیگی نہیں ہے۔ اگر یہ محض الفاظ ہوتے تو ابوجہل کو ادا کر دینے میں کیا قباحت تھی۔ اس نے میدانِ بدر میں اپنا سر کچلوا دیا مگر لا الٰہ الا اللہ نہ پڑھا۔ علامہ نے اسی نکتہ کو دوسری جگہ بڑی جامعیت کے ساتھ واضح کیا ہے

ایں دو حرفِ لا الٰہ گفتار نیست
لا الٰہ جز تیغ بے زنہار نیست!

یہ تو ایک مکمل نظام حیات ہے۔ جو اسے قبول کر لیتا ہے وہ باطل کے لئے ننگی تلوار بن جاتا ہے۔ اگر محض حروف و الفاظ کی گفتار کا نام ذکر ہوتا تو اس سے کفر کو کیا خطرہ ہے۔ مگر جب قرآن کے ذکرِ عملی (نظام) کا نام لیں گے تو یہ تیغ بے زنہار ہو جائے گا اور پھر جامہ وشلوار' خوشبو و خضاب' کلہ و دستار کے بجائے بدر و حنین کا نقشہ پیش کرنا پڑے گا۔ آج اگر ساری دنیا کے مسلمان اپنے عمل سے ﴿ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا ﴾ کا ذکر کریں' اور یہ کہ سود خدا اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ ہے' نہ سود لیں گے نہ سود دیں گے' تو ذکر کی اس ضرب سے دنیا کے سب سے بڑے بُت خانے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے درو دیوار میں لرزہ طاری ہو جائے گا اور بنی آدم درندہ نما انسانوں کے استحصال سے بچ جائے گی۔ آج ذکرِ الٰہی کا کوئی عملی ذاکر ہے تو میدان میں آئے! دینِ مبین کو اس کے وجود کی ضرورت ہے۔

والسلام
نیازمند
غلام صابر

کارروائی اجلاس مجلس شوریٰ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

(منعقدہ 29/جون 2001ء)

مرکزی انجمن خدام القران لاہور کی مجلس شوریٰ کا سال 2001ء کے دوران دوسرا سہ ماہی اجلاس 29 جون 2001ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر تا مغرب قرآن اکیڈمی K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر موسس انجمن کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اجلاس میں 16 اراکین مجلس نے شرکت کی۔ ان کے اسماء گرامی مع دستخط رجسٹر کارروائی میں درج ہیں۔

مندرجہ ذیل تین اراکین مجلس کی جانب سے کسی مصروفیت یا مجبوری کی بناء پر اجلاس میں شرکت سے معذرت موصول ہوئی۔

(1) ڈاکٹر محمد یقین صاحب (2) مرزا ایوب بیگ صاحب (3) اسعد احمد مختار صاحب

اجلاس کی کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا۔ ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے تلاوت کی۔ اس کے بعد گزشتہ اجلاس مجلس شوریٰ منعقدہ 30 مارچ 2001ء کی کارروائی اجلاس میں پڑھی گئی۔ اراکین مجلس نے اس کی توثیق فرما دی۔ اس کے بعد مدیر عمومی جناب محمود عالم میاں صاحب نے اجلاس مجلس عاملہ منعقدہ 26 مئی کی کارروائی کے اہم امور کا تذکرہ کیا۔

گزشتہ اجلاس مجلس شوریٰ کی کارروائی اور مجلس عاملہ کے اہم فیصلوں کا جائزہ:

☆ جناب صدر موسس کے ہفتہ وار درس قرآن کی تشہیر کے لئے بورڈ مناسب جگہ پر لگ گیا ہے۔

☆ چوہدری انوار الحق ناظم شعبہ خط و کتابت کورس کو ایک درس گاہ میں جاری ایڈوانس کورسز کے

بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔انہوں نے اجلاس میں بتایا کہ وہاں پر صرف عربی زبان کا ایڈوانس کورس جاری ہے اور آئندہ سال بھی صرف اسی کے جاری رہنے کا پروگرام ہے۔اس کورس کے ایک سال میں تین سمسٹرز ہوتے ہیں۔اس کورس میں پڑھائی جانے والی کتب کی فہرست بھی انہوں نے پیش کی۔ جناب صدر موسس نے فہرست ملاحظہ فرمائی اور بتایا کہ یہ کورس کسی خصوصی افادیت اور اہمیت کا حامل نہیں۔آپ نے مزید یہ فرمایا کہ ہمارے لئے قرآن کالج کا اصل غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے جس مقصد کے لئے قرآن کالج بنایا تھا اس کی جانب پیش رفت کی بجائے اس سے دور ہوتے جارہے ہیں۔

☆ فیصلہ کے مطابق مرکزی انجمن خدام القرآن کے یونائیٹڈ بینک لمٹیڈ (U.B.L) میں تمام اکاؤنٹس ختم کردیئے گئے ہیں اور یہ اکاؤنٹس مسلم کمرشل بینک لمٹیڈ (.M.C.B) میں کھول لئے گئے ہیں۔

☆ قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس میں تجویز کے مطابق فزکس (Physics) کا مضمون شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ آئندہ داخلوں کے موقع پر طلبہ کو ایک نئے اور بہتر Combination کے چناؤ کا موقع مل سکے گا۔

☆ قرآن اکیڈمی کے رہائشی فلیٹس میں الگ گیس میٹرز اور گیزز وغیرہ لگوانے کے فیصلہ کو بعض عملی دشواریوں کی وجہ سے ختم کردیا گیا ہے۔ جناب صدر موسس کی اجازت سے فی الحال سابقہ انتظام جاری رہے گا۔

مرکزی انجمن کی اپریل تا جون 2001ء سرگرمیوں کے اہم نکات:

جناب محمود عالم میاں صاحب مدیر عمومی نے انجمن کی گزشتہ سہ ماہی کے دوران کارکردگی کے اہم نکات اجلاس میں بیان کئے۔ان میں مندرجہ ذیل اہم امور شامل تھے:

(1) ہفتہ وار درس قرآن (2) رپورٹ اکیڈمک ونگ (3) رپورٹ شعبہ انگریزی (4) رپورٹ قرآن کالج (5) رپورٹ خط وکتابت کورسز (6) رپورٹ شعبہ حفظ (7) رپورٹ مکتبہ انجمن (8) نئی رکنیت۔

مرکزی انجمن کی سرگرمیوں کا اجمالی خاکہ

(اپریل تا جون 2001ء)

(1) ہفتہ وار درس قرآن:

گزشتہ سہ ماہی میں قرآن آڈیٹوریم میں محترم صدر موسس کا ہفتہ وار درس قرآن ہر اتوار کی صبح 10 بجے جاری رہا۔ ہر ماہ کے پہلے اتوار محترم صدر موسس لاہور سے باہر ہوتے ہیں' لہٰذا اس روز ڈاکٹر عارف رشید صاحب درس قرآن دیتے ہیں۔

(2) اکیڈمک ونگ:

جرائد کی اشاعت: شعبہ اکیڈمک ونگ کے زیر اہتمام شائع ہونے والے جرائد ہفت روزہ ندائے خلافت' ماہنامہ میثاق اور ماہنامہ حکمت قرآن اس عرصہ کے دوران باقاعدگی سے شائع ہوئے۔

کتب کی اشاعت: اس عرصہ میں درج ذیل کتب نظر ثانی کے بعد شائع کی گئیں:

1- اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت' 2- قرآن حکیم کی قوت تسخیر (عام ایڈیشن)'
3- آسان عربی گرامر (حصہ سوم) 4- راہ نجات (انگریزی)' 5- خواتین کے دینی فرائض۔

الہدیٰ کیسٹ سیریز کے کتابچے نمبر 14' 15' 16 اور 17 شائع کیے گئے۔

کتاب ''امت مسلمہ کی عمر'' اور ''اسلام کا قانون ارتداد'' طباعت کے مراحل میں ہیں۔

(3) شعبہ انگریزی:

1) روزانہ ای میل کی وصولی و ترسیل۔
2) انگریزی پریس ریلیز (خطاب جمعہ) کی اندرون ملک و بیرون ملک بذریعہ ای میل ترسیل۔
3) مختلف اخبارات میں شائع ہونے والے اور دوسرے ذرائع سے حاصل شدہ ''آرٹیکل'' کی کمپوزنگ اور ایڈیٹنگ برائے اشاعت ندائے خلافت (ہفتہ وار انگریزی صفحہ)
4) انگریزی کتاب ''The Way to Salvation'' کی پرنٹنگ اور اشاعت۔
5) مختلف انگریزی کتابوں مثلاً

"The Objective and Goals of Muhammad's Prophethood"

"Calling People unto Allah"

اور

"Comprehensive Concept of Religious Duties"

کی تیاری برائے پرنٹنگ واشاعت۔

6) قرآنک ہورائزنز (Quranic Horizons) اکتوبر-دسمبر 2000ء کی تیاری برائے پرنٹنگ واشاعت۔

7) مختلف اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین کے بطور Rejoinder جوابات کی کمپوزنگ، ایڈیٹنگ اور بذریعہ ای میل ترسیل۔

(4) قرآن کالج

(1) آئی سی ایس، آئی کام، ایف اے آرٹس گروپ اور ایف اے جنرل سائنس سال دوم کے مجموعی طور پر 59 طلبہ بورڈ کا امتحان دے کر فارغ ہو چکے ہیں۔ اسی طرح بی اے سال دوم کے 4 طلبہ بھی یونیورسٹی کا امتحان دے کر فارغ ہو چکے ہیں۔ اس طرح اس وقت قرآن کالج میں طلبہ کی مجموعی تعداد 74 ہے۔

(2) سالانہ تقریب تقسیم انعامات یکم مئی کو منعقد ہوئی جس میں طلبہ کو انعامات دیئے گئے۔

(3) محکمہ تعلیم پنجاب نے کالج کی رجسٹریشن میں دو سال کی توسیع کر دی ہے۔

(4) سیکنڈری بورڈ کو کالج کے الحاق کی توسیع کے لئے درخواست دی ہوئی ہے' ان شاء اللہ امید ہے کہ چند دنوں تک ایک سال کی توسیع مل جائے گی۔

(5) 18 جون سے کالج میں موسم گرما کی تعطیلات کا آغاز ہو چکا ہے۔

(5) خط و کتابت کورسز

اپریل تا جون 01ء کے دوران شعبہ خط و کتابت کورسز میں 64 طلبہ کا اضافہ ہوا۔ اس میں "فکری و عملی راہنمائی کورس" میں 16، عربی گرامر کورس حصہ اول میں 17، حصہ دوئم میں 3، حصہ

سوئم میں 2اور ترجمہ قرآن کریم کورس میں 26 طلبہ شامل ہیں۔

(6)شعبہ حفظ

گزشتہ تین ماہ میں چھ بچوں نے حفظ قرآن کی تکمیل کی۔ اس شعبہ کو چونکہ بتدریج ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا لہٰذا اس میں کوئی نیا داخلہ نہیں کیا گیا اور اب اسے 30 جون 01ء سے ختم کردیا جائے گا۔

(7) مکتبہ انجمن

گزشتہ سہ ماہی کے دوران -/218206 روپے کی کتب اور -/306320 روپے کی کیسٹس فروخت ہوئیں۔

ماہنامہ میثاق، حکمت قرآن اور ہفت روزہ ندائے خلافت کی خریداروں اور ایجنسیوں کو (اشاعت کے فوراً بعد) بلاتاخیر ترسیل کا کام عمدگی سے جاری رہا۔ قرآن آڈیٹوریم میں ہفتہ وار درس قرآن کے موقع پر کتب وکیسٹس کے سٹال کا اہتمام بھی باقاعدگی سے کیا جاتا رہا۔

(8) نئی رکنیت

اپریل تا جون 01ء کے عرصہ میں مرکزی انجمن میں 10 ارکان کا اضافہ ہوا۔ ان میں سے 4 کا تعلق حلقہ محسنین، 2 کا مستقل ارکان اور 4 کا حلقہ عام ارکان سے ہے۔

☆ ☆ ☆

دیگر امور :

☆ ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب نے توجہ دلائی کہ یکم مئی کو قرآن کالج میں سالانہ تقریب تقسیم انعامات ہوئی۔ مناسب یہ تھا کہ اراکین مجلس شوریٰ کو اس کی اطلاع دی جاتی تا کہ وہ بھی اس میں شمولیت اختیار کرتے۔ اسی طرح انجمن یا کالج کے زیر اہتمام دیگر فنکشنز کی بھی اطلاع

اراکین مجلس کو ہوتی چاہئے۔ طے یہ ہوا کہ آئندہ ایسی اطلاع بھیجنے کا انتظام کیا جایا کرے بلکہ ان کی معلومات کیلئے انجمن کی کارکردگی کی سہ ماہی رپورٹ بھی ان کو ارسال کی جایا کرے۔

☆ ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب نے کافی عرصہ پہلے جناب صدر موسس کے خدمت خلق کے موضوع پر طبع شدہ مضمون کے حوالہ سے توجہ دلائی کہ افادہ عام کے لئے اس طرح کے مضامین کی اخبارات میں گاہے بگاہے اشاعت کا انتظام کرتے رہنا چاہئے۔

قارئین نوٹ فرمالیں

چند ماہ پیشتر حکومت پاکستان کی طرف سے ڈاک کے اخراجات میں یکلخت غیر معمولی اضافہ کر دینے کے باعث ماہنامہ ''حکمت قرآن'' کے سالانہ زرِتعاون میں اضافہ عمل میں لایا جا رہا ہے۔ مزید برآں گزشتہ پانچ سالوں کے دوران کاغذ اور طباعت کے نرخوں میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے جس کے پیش نظر ''حکمت قرآن'' کی فی شمارہ قیمت میں اضافہ کرنا بھی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

واضح رہے کہ گزشتہ پانچ سالوں کے دوران شمارے کے نرخ میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ قارئین نوٹ فرمالیں کہ شمارہ ہذا سے ''حکمت قرآن'' کی فی شمارہ قیمت -/8 کے بجائے -/10 روپے ہوگی۔ سالانہ زرتعاون کی تفصیل درج ذیل ہے:

اندرون ملک	-/100 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	-/700 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	-/900 روپے

سرکولیشن مینیجر
ماہنامہ ''حکمت قرآن'' لاہور

تعارفِ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

کتاب : غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار
مصنف : علامہ محمد صالح المنجد
ترجمہ و تفہیم : عطاء اللہ ساجد
صفحات : 144
قیمت : 60 روپے
ناشر : نوراسلام اکیڈمی' پوسٹ بکس 5166، ماڈل ٹاؤن، لاہور

کسی کی غلطی کی اصلاح کرنا بڑا حساس معاملہ ہے' کیونکہ اگر اس کے لئے بے موقع یا نامناسب اقدام کیا جائے تو اصلاح کی بجائے بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ ایک شخص کی غلطی پر تنبیہ کے لئے ایک انداز بہتر ہوتا ہے جبکہ دوسرے آدمی کے لئے دوسرا اسلوب صحیح ہوتا ہے۔ اس لئے انتہائی خلوص کے ساتھ غلطی کی اصلاح کے لئے بھی حکمت اور دانائی سے کام لینا بہت ضروری ہے۔

مصنف نے غلطیوں کی اصلاح کے لئے نبوی طریق کار کی وضاحت کرتے ہوئے درجنوں واقعات سیرتِ طیبہ سے نقل کئے ہیں اور ہر واقعہ پر غلطی کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار واضح کیا ہے۔ کسی جگہ رسول اللہؐ نے غلطی کا احساس دلانے پر ہی اکتفا کیا ہے تو کسی جگہ سخت رویہ بھی اختیار کیا ہے۔ کسی جگہ غلط عمل کرنے والے کو دوبارہ وہی کام صحیح انداز میں کرنے کا حکم دیا ہے تو کسی جگہ بائیکاٹ کو غلطی کی اصلاح کیلئے موزوں سمجھا ہے۔ اسی طرح اصلاح کے اس عمل میں انسان کی فطری کمزوریوں کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا۔ عورتوں کے معاملہ میں خاص طور پر مردوں کو ہدایت کی کہ اُن کے ٹیڑھے پن کو نرمی سے سیدھا کرنے کی کوشش کریں۔

اسی طرح اصلاح کا جذبہ خواہ کتنا ہی پُرخلوص کیوں نہ ہو غلطی کی نوعیت اور غلطی کرنے والے کی شخصیت کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔

بہرحال مصنف نے عنوان کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے اور رسول اللہؐ کے سامنے

پیش آنے والے واقعات اور ہر واقعہ میں آپؐ کا اندازِ اصلاح بیان کر دیا ہے۔ تمام واقعات کے حوالہ جات بھی درج کئے ہیں۔ کتاب کے مصنف نے آخر میں لکھا ہے:

"مذکورہ بالا واقعات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے غلطیوں کی اصلاح کے لئے جو اقدامات فرمائے ہیں ان میں بہت تنوع پایا جاتا ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حالات اور افراد کے بدلنے سے اصلاح کا اسلوب بھی بدل جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس معاملہ میں نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کرنا چاہتا ہے وہ پیش آنے والے واقعات میں تفقہ اور اجتہاد سے کام لیتے ہوئے ان نظائر کو سامنے رکھتا ہے اور مسئلہ کو اس سے مشابہ مسئلہ پر قیاس کر کے وہ اسلوب منتخب کر لیتا ہے جو کسی خاص موقع کے لئے زیادہ مناسب ہو"۔

یہ کتاب ہر شخص کے لئے مفید ہے، خاص طور پر ان لوگوں کو تو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے جو کسی بھی انداز سے مربی یا قائد کی حیثیت رکھتے ہوں۔ عمدہ کمپیوٹرائزڈ کتابت سے آراستہ اور معیاری طباعت کی حامل یہ کتاب' جس کی پروف ریڈنگ بڑے محتاط انداز اور عرق ریزی سے کی گئی ہے' معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری سے بھی مالا مال ہے۔

(۲)

کتاب	: دو روشن ستارے
مصنف	: عبدالرشید عراقی
صفحات	: 124
قیمت	: 48 روپے
ناشر	: نور اسلام اکیڈمی' پوسٹ بکس 5166، ماڈل ٹاؤن، لاہور

اس کتاب میں برصغیر میں پیدا ہونے والی دو عظیم شخصیات کا تذکرہ ہے' جن کی علمی' فکری' روحانی اور اصلاحی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ وہ دو شخصیات ہیں عالم ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔

شیخ احمد سرہندیؒ نابغۂ روزگار ہستی تھے۔ وہ مغل بادشاہ اکبر اعظم کے دَور میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ سترہ سال کی عمر میں علومِ اسلامیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ بادشاہ اکبر کے دَور میں خوشامدی درباری علماء کے مشورے سے دین الٰہی ایجاد ہوا جو سراسر گمراہی تھی۔ علمائے حق نے اس کے خلاف آواز اٹھائی جو صدا بصحرا ثابت

ہوئی۔ ۱۰۱۴ھ میں اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا۔ اس وقت شیخ احمد سرہندی کی عمر ۴۳ سال تھی۔ جہانگیر تخت نشین ہوا تو آپ نے درباری علماء کو خطوط لکھے۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے آپ سے ملاقات کی خواہش کی۔ آپ نے ملاقات کے وقت مروجہ آدابِ شاہانہ کو ملحوظ نہ رکھا اور قید کر دیئے گئے۔ ساڑھے تین سال قید میں رہے۔ اس دوران سینکڑوں غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ شیخ احمد سرہندیؒ کی پوری زندگی اتباع سنت کا نمونہ تھی۔ انہیں بدعات سے سخت نفرت تھی۔ وہ اپنے وقت کے مجدد تھے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ان کی علمی قدر و منزلت اور اتباع سنت کے معترف ہیں۔ کتاب کے مصنف نے شیخ احمد سرہندی کے کارناموں اور خدماتِ اسلام کا نہایت جامعیت کے ساتھ چند صفحات میں ذکر کر دیا ہے۔

دوسرے بزرگ جن کا اس کتاب میں ذکر ہے، وہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہیں، جو دسویں صدی ہجری کے وسط میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ انتہائی کم عرصے میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ تحصیل علم کے مدارج بھی انتہائی سرعت کے ساتھ طے کئے۔ دربارِ اکبری تک رسائی حاصل ہوئی مگر جلد ہی وہاں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس زمانے میں بدعات زور پکڑ رہی تھیں اور دینی مدرسوں میں منطق و فلسفہ سے شغف و انہماک بڑھ گیا تھا۔ آپ نے اس سلسلہ میں اصلاحی کام کیا اور مدارس میں قرآن و حدیث کی تعلیم کو اولیت دی۔ برصغیر میں حدیث کی وسیع نشر و اشاعت کی ابتداء آپ ہی نے کی جسے بعد کے علماء نے اور آگے بڑھایا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے مطابق آپ کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے دینی کتابوں کا ترجمہ رائج الوقت فارسی زبان میں کیا اور ان کی شرحیں لکھیں۔

مصنف نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی انہی خدمات کا تذکرہ جامع انداز میں اس اختصار کے ساتھ کیا ہے کہ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ بزرگان دین کے حالات زندگی اور ان کی مساعی جمیلہ کو عام کرنا بہرحال ایک مستحسن کام ہے جس سے نوجوانوں میں جذبہ کار پیدا ہوتا ہے اور عملی راہنمائی بھی ملتی ہے۔

فاضل مصنف نے مختلف کتب سے مستند مواد اکٹھا کر کے حسن ترتیب کے ساتھ یکجا کر دیا ہے۔ حوالہ جات بھی دیئے گئے ہیں۔ پروف ریڈنگ میں چند ایک اغلاط ہیں جن کی اگلے ایڈیشن میں اصلاح ہونی چاہئے۔

ادارہ نور اسلام اکیڈمی اگرچہ حال ہی میں معرضِ وجود میں آیا ہے مگر اس کی شائع کردہ کتب اپنے متنوع عنوانات، کتب و احادیث سے مکمل حوالہ جات کے ساتھ مستند مضامین اور طباعت میں اعلیٰ معیار کی حامل ہوتی ہیں۔ ان دونوں کتب کی طباعت و اشاعت میں بھی ادارے نے اپنے معیار کو برقرار رکھا ہے۔

(۴)

کتاب : الشفاء

مصنف : اشفاق الرحمٰن خان

صفحات : 120

قیمت : 60 روپے

مقام اشاعت : 2-51 ڈی' ماڈل ٹاؤن' لاہور

قرآن مجید کتابِ ہدایت اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے انسان کو قلبی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اس کی تلاوت ثواب اور برکت کا باعث ہے۔ خود قرآن پاک کا دعویٰ ہے کہ یہ سینوں کی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ اخلاقی کمزوریوں اور روحانی بیماریوں کے لئے قرآن کریم کی تلاوت اور تفہیم اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ رُوحانی بیماریوں کے علاوہ جسمانی بیماریوں کے لئے بھی قرآن مجید سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے جیسا کہ خود قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ قرآن میں ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مواقع پر جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کسی نے بیماری کا ذکر کیا تو آپؐ نے اسے قرآن پڑھنے کی تلقین کی۔ چنانچہ اس کتاب میں مصنف نے حصولِ صحت کے لئے قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ سے منقول چند وظائف اور دعائیں بھی درج کی ہیں۔ اس کے علاوہ حدیث میں مذکور کچھ دواؤں کا بھی ذکر کیا ہے جن کے استعمال کی مختلف بیماریوں میں حضور اکرم ﷺ نے تلقین کی ہے۔ ان میں شہد' سرکہ' کلونجی' انجیر' زیتون کا تیل' میتھی' کاسنی' کدّو اور کھجور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ صحیحین میں یہ روایت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا مرض نازل نہیں کیا جس کی دوا نہ اُتاری ہو۔ چنانچہ مصنف نے مختلف بیماریوں کے سلسلہ میں قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں کچھ غذاؤں اور دواؤں کا تذکرہ کیا ہے۔ ظاہر ہے اگر یقین و ایمان کے ساتھ ان غذاؤں' دواؤں اور دعاؤں کو اختیار کیا جائے تو ضرور فائدہ ہوگا۔

کتاب کو چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصّے میں مختلف امراض کے علاج کے لئے قرآنی آیات، دوسرے میں روحانی بیماریوں اور ان کے علاج کا ذکر، تیسرے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اشیاءِ خورد و نوش کے فوائد' جبکہ چوتھے حصّے کا عنوان طب نبویؐ ہے۔

کتاب کا اندازِ تحریر مصنف کے خلوص و اخلاص اور نصح و خیر خواہی کا مظہر ہے' البتہ پروف ریڈنگ کے کام میں تساہل نمایاں ہے۔ نیز اکثر جگہ آیات و احادیث کے حوالہ جات بھی نہیں دیئے گئے۔ یہ خامیاں اگر آئندہ ایڈیشن میں دور ہو جائیں تو کتاب زیادہ مفید ہو جائے گی۔

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 5869501-03